آئینے

مقدمہ
تنازعہ
مولانا
شکاری کتا
شاعر
قاضی
ہندوستان زندہ باد
اپنا اپنا ظرف
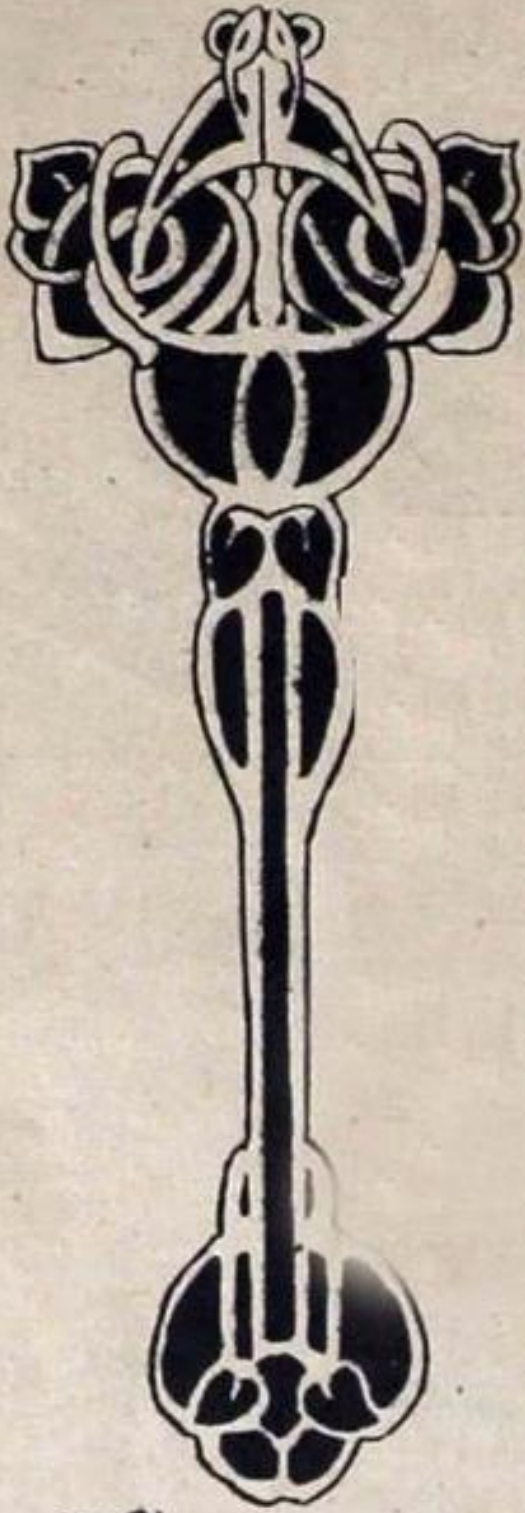
سراج الدین ظفر بی۔ اے
ایل۔ ایل۔ بی

اُس خرابیِٔ دماغ کے نام جس کا نتیجہ
یہ افسانے ہیں

اچھا ہے دِل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے

فہرستِ مضامین
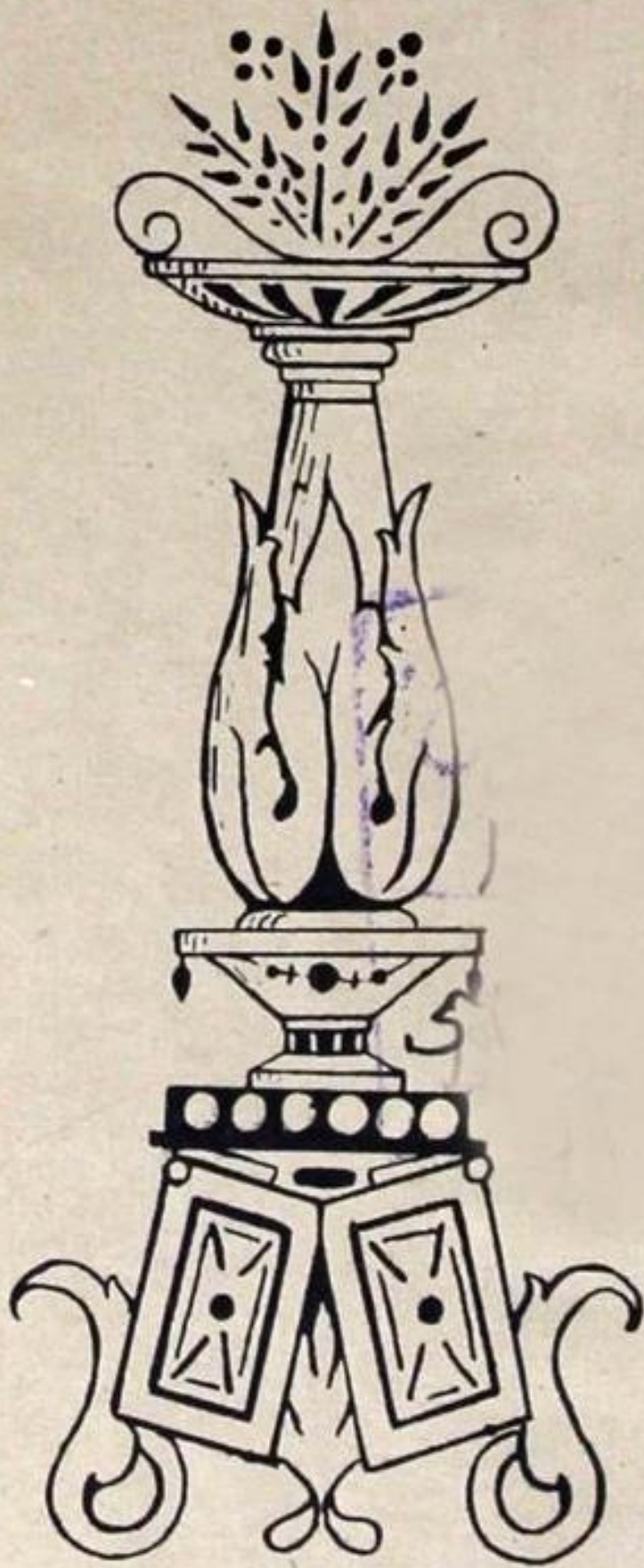
شوکت تھانوی

سراج الدین ظفر

مقدّمہ

میری بہت سی کمزوریوں میں سے ایک توانا قسم کی کمزوری یہ بھی ہے کہ مَیں مقدّمہ بازی سے ہمیشہ گھبرایا ہوں۔ خواہ وہ فوجداری قسم کے مقدّمے ہوں یا از قسمِ دیوانی۔ اِس کمزوری کا ایک احسان یہ تو ضرور ہوا ہَے کہ مجھ میں جرائم پیشہ بننے کی جراُتِ رندانہ کبھی پَیدا نہیں ہوئی۔ حالانکہ ضرورتوں نے اکثر جرائم کی ترغیب بھی دی اور خُود جرائم نہایت دل آویز صورتوں میں اس طرح میرے پاس آئے، جیسے کنواں پیاسے کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن ہر مرتبہ مقدّمہ بازی کے ہولناک تصوّر سے مَیں کانپ اُٹھا اَور نہایت بُزدلی کے ساتھ ارتکابِ جُرم سے اپنے کو بچا کر بَیٹھ رہا۔ لیکن بہت سے مقدّمے ایسے ہوتے ہَیں جو بغیر کسی جُرم کے چل جایا کرتے ہَیں۔ بلکہ مقدّموں کی ایک آدھ قِسم تو ایسی ہَے جو محض شرفا کے لئے مخصوص ہَے۔ مثلاً انکم ٹیکس کا مقدّمہ،

یا قرض کے سلسلہ میں کوئی دعویٰ وغیرہ - اِس قسم کے مقدموں سے اُس وقت تک نجات ممکن نہیں، جب تک کسبِ معاش کے شریفانہ اور غیر شریفانہ، جائز اور ناجائز طریقوں کا امتیاز موجود ہے۔ لیکن اِس قسم کے مقدموں سے بھی ہمیشہ یوں نجات حاصل کی کہ ڈگری مع خرچہ اپنے سر اوڑھ لی وکیل صاحب کو شکرانہ دے کر خُدا کا شکر ادا کیا +

لیکن آج ایک ایسے مقدمہ میں ماخوذ ہیں کہ نہ تعزیراتِ ہند کی کوئی دفعہ ہمارے حق میں ہے، نہ ضابطۂ فوجداری میں کوئی گوشۂ عافیت - نہ کوئی وکیل وکالت کر سکتا ہے نہ گواہی کے لئے کسی گواہ کا امکان یہ مقدمہ دائر کیا ہُوا ہے سراج الدّین صاحب ظؔفر کا- اور رودادِ مقدمہ یہ ہے کہ اُن کے فکاہی مضامین کا مجمُوعہ پیشِ نظر ہے، جو بقول اُن کے اُس وقت تک طبع ہی نہیں ہو سکتا، جب تک مَیں اُس پر ایک مقدمہ لِکھ کر اپنی تباہی مول نہ لُوں - سراج الدّین صاحب خُود وکیل تھے اور باوجود یہ مشغلہ ترک کر دینے کے اب تک ایل - ایل - بی ہیں - لہٰذا مقدموں سے اُن کو اگر دلچسپی ہے تو یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں- مگر اِس خاکسار کا قصور تو صرف اِسی قدر تھا کہ ظفؔر صاحب کے دو ایک مضامین پڑھ کر دلچسپی کا اظہار کر دیا-

کیا خبر تھی یہی دلچسپی قابلِ دست اندازی پولیس قسم کا جُرم بن سکتی ہے۔ چنانچہ بلاحظہ فرمائیے کہ مبتلا ہیں اِس مقدّمہ میں:

مقدّمے کے تیور پیدا کرنے سے پہلے میں چاہتا ہُوں کہ ایک لطیفہ پیش کر دُوں۔ ممکن ہے کہ یہ لطیفہ یہاں کچھ بے محل سا معلوم ہو۔ مگر میری رائے میں اگر لطیفہ کامیاب ہے تو وہ بے محل سے بے محل حالات میں با محل محسُوس ہونے لگتا ہے اور اگر لطیفہ ہی ناکام ہے تو اپنے ساتھ ہی محل کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ یعنی پھر بھی بے محل نہیں ہونے پاتا تو وہ لطیفہ یہ ہے کہ سراج الدّین صاحب ظفؔر کو مَیں بحیثیت شاعر کے جانتا تھا اور سراج الدّین صاحب ظفؔر مجھ کو بحیثیت ایک مزاح نگار کے جانتے تھے۔ یہ قصّہ ہے اُس وقت کا جب وہ لاہور میں تھے اور مَیں لکھنؤ میں۔ لاہور آکر اور قریب سے مل کر ہم دونوں پر عجیب راز منکشف ہُوئے۔ یعنی اُنہوں نے مجھ کو اپنے مزاحیہ مضامین سُنائے۔ مَیں نے اُن کو اپنے شعر۔ اس معاصرانہ تبادلہ کا نتیجہ یہ ہوُا کہ وہ تو میرے اشعار پر "واہ" کرکے رہ گئے اور "آہ" مجھ کو یہ مقدّمہ لکھنا پڑا۔

سراج الدّین صاحب ظفؔر نے اپنی شاعری سے اُکتا کر یا محض "مزہ مُنہ کا بدلنے کے لئے" نثر لکھنا

شروع کی، بہت اچھا کیا۔ مگر ان کی دشوار پسندی نے نثر نگاری میں بھی ایک نہایت خطرناک وادی میں قدم رکھا ہے۔ خدا خیر کرے۔ مزاح نگاری کو مذاق سمجھ لینا بجائے خود ایک عبرت انگیز لطیفہ ہے۔ اِس وادیٔ پُر خار میں بہت سے مُسافروں کا گزر ہوا ہے۔ کچھ اپنے دامن یہیں چھوڑ کر اَور جان بچا کر بھاگے، کچھ دامن بچاتے ہوئے چُپ چپاتے گزر گئے اَور بہُت کم ایسے تھے جو اِن کانٹوں سے اُلجھ کر خندۂ گُل کا درس دے سکے۔ طنز نگاری ادب کی ایک حیثیت سے آخری منزل ہے۔ سراج الدّین صاحِب ظؔفر نے "تمّت بالخیر" سے "بسم اللہ" فرمائی ہے۔ انجام سے آغاز کا کام لیا ہے۔ اس جراُتِ رندانہ پر ہنسنے کے بجائے ہم کو اِس کا جائزہ لینا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ "دریں گرد سوارے باشد" اَور کیا تعجّب ہے کہ ظؔفر صاحب نے اِس نکتہ کو پا لیا ہو کہ شاعری کی طرح مزاح نگاری بھی اکتسابی فن ہونے سے کہیں زیادہ عطیّۂ فطرت ہے۔ جس طرح شاعر بنتا نہیں بلکہ پیدا ہوتا ہے۔ اِسی طرح مزاح نگاری بھی کہیں سے حاصِل نہیں کی جاتی، بلکہ مزاح نگار کو اپنی ہی رُوح میں ملتی ہے۔ بلکہ وہ مزاح نگار جن کی رُوح کے دروازے اِس باب میں بند ہیں اَور قلم

مزاح نگاری میں مصروف، شاعر تو نہیں البتہ متشاعر کہے جا سکتے ہیں۔ ان میں اور فطری مزاح نگاروں میں وہی فرق ہوتا ہے جو اصلی اور کاغذی پھولوں میں نظر آتا ہے۔ وہ مزاح نگار نہیں ہوتے، بلکہ مزاح نگار کی تمثیل ضرور پیش کرتے ہیں اور اُن کا آرٹ آمد سے زیادہ آورد کے بل بوتے پر ایک ڈھونگ سا رچا کر خودِ اُن کو ایک غلط فہمی میں اور ادب کو ایک عجیب عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ فطری مزاح نگار اپنے آرٹ سے دنیا کو شگفتگی بخشتا ہے۔ اس کا پیغام تازگی اور زندگی لاتا ہے۔ وہ نہایت سنجیدگی سے دُوسروں کو ہنسا دیتا ہے اور غیر فطری مزاح نگار خودِ ہنستا ہے۔ خواہ دُوسرے ہنسیں یا حیرت سے اُس کا منہ دیکھتے رہیں۔ بلکہ سلیقہ تو یہ کہتا ہے کہ اُن کے اس ہنسنے پر خدا توفیق دے تو رو دینا ہی مذاقِ سلیم کی صحت کا پتہ دے سکتا ہے ؂

ادبِ اُردو نے شاعروں کی طرح مزاح نگار بھی کثرت سے پیدا کئے۔ جن میں سے کچھ خود تھک گئے۔ کچھ نے دُوسروں کو اپنے آرٹ سے بہت جلد تھکا دیا۔ کچھ ایک آدھ جلوہ دکھا کر رُو پوش ہو گئے اور آخر کار مزاح نگاروں کی اس ریل پیل میں صرف چند ہی ایسے بچے، جن پر دنیا کی نظریں ٹھہر سکیں اور جو

خوُد بھی ان نظروں کے سامنے ٹھہرنے ہیں کامیاب ہو سکے۔ مگر اس کے باوجود مَیں ادب اُردو کے اِس شعبہ کی طرف سے کبھی اِس قدر مایوس نہیں ہُوا کہ اپنے ادب کی طرف سے مُنہ موڑ کر اسکر وائلڈ، چسٹرٹن، اَور برنارڈ شا کو گھبرا گھبرا کر یاد کرنا شروع کر دُوں۔ اُردو کی بساط کے مطابق اس کا سرمایۂ مزاح یقیناً ہلکا نہیں ہَے اَور اگر اُردو عہدِ جدید کی ویسی ہی شاہی زبان ہوتی جیسی انگریزی ہَے تو پطرس، عظیم بیگ چغتائیؔ اَور فرحت اللہ بیگ وغیرہ کے حوالے شاید خوُدِ اسکر وائلڈ، چسٹرٹن اَور برنارڈ شا کو دینا پڑتے۔ اپنے ادب کو ترقّی دینے کے بجائے دُوسرے ادب کی ترقّیاں دیکھ کر اپنی ترقّی سے مایوس ہو جانے کا اصُول آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا ہَے۔ ہم اکبر الٰہ آبادیؔ منشی سجّاد حسین، ظریف لکھنوی اَور عہدِ حاضر کے دُوسرے مزاح نگاروں کے کارناموں پر فخر کرنے کے بجائے فیشن کے طور پر رُوسی، فرانسیسی اَور انگریز مزاح نگاروں کی طرف رشک سے دیکھتے ہَیں اَور اُن کے مقابلہ میں اپنی کمتری کا احساس دُوسروں میں پَیدا کراتے ہَیں۔ مَیں تو اِس طریقہ کو صرف یہی سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک ذریعہ ہَے خوُد اپنے وسیع مطالعہ کا سکّہ جمانے کا۔ مطالعہ ضرور کیا جائے، مگر اُس کے

غیر ضروری اظہار سے اپنے ادب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کیوں کی جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ادب کے دوسرے شعبوں سے کہیں زیادہ مزاح پر اپنے ذاتی ماحول کا اثر ہونا چاہیئے۔ انگریز بہت سی ایسی باتوں پر ہنس سکتے ہیں، جن پر ہندوستانیوں کو ہنسی نہیں آتی، بلکہ حیرت ہوتی ہے کہ اس میں ہنسی کی کیا بات تھی؟ اسی طرح رُوسی اَور فرانسیسی مزاح ہمارے مزاح، ہماری معاشرت اَور ہمارے ماحول سے میل نہیں کھاتا۔ ہمارا مذاق ہی الگ ہے اَور ہم کو اپنے ہی حالات سے اَور اپنے ہی مزاج کے مطابق مزاح سے شگفتگی حاصل ہو سکتی ہے اَور سچ پُوچھئے تو بے ساختگی جو مزاح کی رُوح ہے، وہ تقلید سے کبھی پَیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ سراج الدّین صاحب ظفرؔ نے اُردو میں رُوسی۔ فرانسیسی یا انگریزی مزاح پیش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ حالانکہ ان کے ایک یا دو مضامین پر مجھے ترجمہ کا شبہ ہُوا تھا، مگر بعد میں یہ شبہ غلط نِکلا۔ میرے اِس شبہ کی ذمّہ داری مجھ سے زیادہ ظفرؔ صاحِب پر عائد ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ مزاح کے لئے آپ نے جو اسلوب اختیار کیا ہے۔ وہ اگر یوروپین نہیں تو یوروشین ضرور محسوس ہوتا ہے۔

یہ نتیجہ ہو سکتا ہے یوروپین لٹریچر کے مطالعہ کا۔ مگر اس کے باوجود ظفر صاحب کے مزاج کی رُوح خالص ہندوستانی ہے اَور اُن پر سوائے ایک مضمون کے یہ اعتراض کہیں وارد نہیں ہو سکتا کہ اُردو زبان میں انگریزی بولنے کی کوشش کی ہے۔ جس ایک مضمون کا مَیں ذکر کر رہا ہوں، اُس کا عنوان ہے "مولانا"۔

مولانا کی تمام عمر مسجد کی امامت میں گزری تھی۔ محلّہ بھر میں اُن کے زہد کی دُھوم تھی۔ پچھلی جمعرات کو ایک مرید کے ہاں مدعو تھے۔ کچھ زیادہ کھا گئے اَور ہیضہ میں مبتلا ہو کر واصل بحق ہو گئے۔ ظفر صاحب نے اِن ہی مولانا کا سفرِ آخرت اَور جنّت میں مولانا کے خیر مقدم اَور قیام وغیرہ کے مناظر پیش کئے ہیں۔ جن کے اِدھر اُدھر سے کچھ حصّے پیش کئے جاتے ہیں:۔

"جیسے ہی خویش و اقارب انہیں دفنا کر لوٹے، آسمانی ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ (محکمۂ رسل و رسائل) نے انہیں جنّت میل میں سوار کر دیا"۔

"ایک لڑکی قریب آ کر مولانا سے —— مولانا آپ ہی کا اسمِ گرامی ہے؟

جی ہاں! اسی نیازمند کو مولانا کہتے ہیں۔

مَیں ری سپشن کمیٹی (مجلسِ استقبالیہ) کی سیکرٹری

ہوں۔ تشریف لائیے۔ آج آپ ریسٹ کیمپ میں رہینگے"۔

مولانا نے دریافت کیا۔ "آپ کب سے جنّت میں ہیں"۔
لڑکی نے جواب دیا۔ "یہی کوئی دس کروڑ برس سے"۔

"دس کروڑ برس۔ دس کروڑ برس" مولانا نے حیران ہو کر دریافت کیا۔ "تو کیا آپ بوڑھی ہیں؟"
"نہیں" حُور نے مسکرا کر کہا۔ "یہاں کی آب و ہوا زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ یہاں کا پبلک ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ ہر پچاس سال کے بعد آپریشن کے ذریعہ ساکنانِ جنّت کے مردہ غدود نکال کر اُن کی جگہ بندروں کے تازہ غدود داخل کر دیتا ہے۔ جن سے جوانی برقرار رہتی ہے"۔

دوسرے دن پبلک ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کا ایک فرشتہ ایمبولنس کار لے کر آ گیا۔

مولانا کا محل ریسٹ کیمپ کی عمارت سے کئی گُنا خوبصورت تھا۔ ان کی سیکرٹری نے جو بے انتہا خوبصورت حُور تھی، اُن کے عملہ سے جو کئی خوبصورت حوروں، اور غلمانوں پر مشتمل تھا، اُن کا تعارف کرایا اور مولانا

شام تک بیٹھے حسین کنیزوں سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر جب ڈنر کا وقت آگیا تو سیکرٹری کو تنہائی کا موقع مِلا۔

"کیا آپ کو یہاں کی زندگی کا پروگرام معلوم ہے؟" اُس نے کہا۔

"نہیں تو۔"

"صبح آپ کو بڈ ٹی کس وقت چاہیئے؟"

"غسل کے بعد"

"غسل کے بعد" سیکرٹری نے حیرت سے کہا۔"وہ تو برک فاسٹ کا وقت ہے۔"

اِن چند اقتباسات سے اِس مضمون کا شاید وہ پہلو سامنے آسکے گا جو مَیں نمایاں کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا بے چارے کو تو در اصل اِسی بات پر حیران ہونا چاہیئے کہ برک فاسٹ کھائیں یا ایمبولنس کار۔ مجھے اس مضمون پر اگر اعتراض ہے تو صرف یہ کہ مولانا شاید کسی غلط ٹرین پر بیٹھ کر بجائے جنّت کے PARADISE میں پہنچ گئے ہیں۔

اِس مضمون سے اِس اختلاف کے بعد مجھ کو اُن کے دُوسرے مضامین میں جو برجستگی، جو تازگی اور جو بے قرار شوخی نظر آتی ہے۔ اُس کو دیکھ کر تو مَیں

حیران ہوں کہ ظفر صاحب اپنی اس صلاحیت کو اب تک کیوں چھپائے رہے اور نمایاں بھی ہوئے تو کہاں؟ کراچی کے ایک غیر معروف رسالہ ہندوستانی میں۔ گویا ؎

آئے بھی تو وہ سر کو جھکائے مرے آگے
اِس طور سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے

اگر ان کے یہی مضامین لاہور، دہلی یا لکھنؤ کے کسی معیاری رسالے میں شائع ہوئے ہوتے تو آج مجھ کو اس تعارف کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ وہ خود ہی اپنے نام کے ساتھ اُچھل چکے ہوتے۔ بجائے اِس کے کہ اب دنیا اِن کا نام اس حیثیت سے سُن کر اچھل پڑے۔

ظفر صاحب کے یہاں زبان کی غلطیاں ممکن ہیں۔ اِس لئے کہ نہ وہ اہل زبان ہیں نہ اِس سلسلہ میں زبان درازی کے مدعی۔ مگر ان کے طرزِ تحریر کی شگفتگی، برجستگی اور مزاحیہ سلیقہ سے انکار ممکن نہیں۔ ؎

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادُو وُہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ان کے چند مضامین کے اقتباس پیش کرتا ہوں معلوم نہیں، اِس میں اپنے خُوش مذاق ہونے کے جذبے کی نمائش مقصود ہے یا ظفر صاحب کے اسلوب کی

خصوصیت کا اظہار۔ جو کچھ بھی ہو، مگر مَیں داد طلب نہیں ہوں۔ داد کے مستحق ظفر صاحب ہیں ٭

شکاری کُتا کے عنوان سے ایک تمثیل ہے۔ ذرا مکالمہ ملاحظہ ہو :۔

چنبیلی ۔" سرکار! جاوید میاں آئے ہیں "٭

نجمہ (چونکتی ہو کر) "یہ جاوید میاں کون ہیں ؟"

زاہدہ ۔" سب سے بڑے بُدھو ٭"

نجمہ (رسالہ ایک طرف رکھ کر حیرت سے) " سب سے بڑے بُدھو ؟ "

زاہدہ ۔" ہاں! آپ یہاں کے رئیس زادے ہیں اور.... اور میری محبت کا دم بھرتے ہیں "٭

نجمہ ۔" اوہو! مَیں سمجھی "٭

زاہدہ (چنبیلی سے) " کہ دو مَیں مصروف ہوں میری ایک سہیلی آئی ہوئی ہے "٭

چنبیلی ۔" انہوں نے کہا ہے کہ اگر آج بھی ملاقات نہ ہوئی تو وہ کچھ کھا کر خُودکشی کر لیں گے "٭

زاہدہ ۔" ایک بار نہیں سَو بار خُودکشی کرے۔ مَیں نے کہ دیا ہے کہ مَیں نہیں مل سکتی ...... نہیں مل سکتی "٭

چنبیلی ۔" سرکار! پرسوں بھی آپ نے اُن سے مُلاقات

نہیں کی تھی اور انہوں نے چھوٹے میاں کے
بادامی بوٹ پالش کی ڈبیہ کی ڈبیہ کھا لی تھی"۔
زاہدہ ۔"میں ان باتوں کی پروا نہیں کرتی"۔
چنبیلی ۔"آپ پروا کریں یا نہ کریں، لیکن چھوٹے میاں
تو کرتے ہیں۔ وہ آج میرے سر ہو رہے تھے"۔
زاہدہ ۔"میں چھوٹے بھائی جان کو آج ایک درجن
بوٹ پالش لا دوں گی۔ تاکہ آئندہ اگر کبھی جاوید
طبع آزمائی کرنا چاہے تو کافی مقدار میسّر آسکے"۔
چنبیلی ۔"آپ شاید ایک چاکولیٹ کا ڈبّہ آج برآمدے
میں بھول آئی ہیں"۔
زاہدہ ۔"ہاں! وہ میں اپنے لئے آج ہی بازار سے
لائی ہوں"۔
چنبیلی ۔"جاوید میاں مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ایک
تندرست آدمی کو خودکشی کے لئے کتنی مقدار
میں چاکولیٹ کھانے کی ضرورت پڑے گی"۔

"ہندوستان زندہ باد" کے نام سے جو کامیاب طنز ہے
جس کو میں اس مجموعہ کی جان سمجھتا ہوں۔ اس طنز کا
لطف پورا مضمون پڑھنے میں ہے۔ اقتباس دے کر
اس طنز کی قیامت کا اندازہ کرانا ممکن نہیں۔

"تنازعہ" کے زیرِ عنوان ظفر صاحب نے جو شرارتیں سنجیدگی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اُن کا کچھ لطف تو یہیں حاصل کر لیجئے۔ فرماتے ہیں :-

"شاعر کو سیٹھ ...... کی لڑکی کی ملازمت میں بیسواں روز تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کی کوئی مراد بر نہ آئی تھی۔ بر آتی بھی کیونکر؟ عرضِ محبّت کے خیال سے ہی اُس کا دل اِس طرح دھڑکنے لگتا، جیسے انجن چل رہا ہو۔ بس وہ آتا۔ گھڑی دو گھڑی اُسے کوئی کتاب پڑھاتا اور بے نیل مرام لوٹ جاتا۔ آج وُہ بڑا مغموم تھا۔ اُسے کامیابی کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔

"کیا آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟" دوشیزہ نے دَورانِ گفتگو میں دریافت کیا۔

"ہاں کبھی کبھی وارداتِ قلبی کو شعر کی صُورت دے دیتا ہُوں"۔

"مجھے شاعری سے بے حد محبّت ہے بے حد"۔

"یہ آپ کے ذوقِ سلیم کی دلیل ہے"۔

"کیا مَیں شاعرہ ہو سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔ کوشِش کیجئے"۔

"لیکن۔ لیکن مَیں نے سُنا ہے۔ شاعر جب تک کسی کے عشق میں مبتلا نہ ہو، اُس کے شعر شعر نہیں ہوتے"۔

شاعر کا دل کم بخت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
"بجا ارشاد ہے"۔
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"کیا آپ کو بھی کسی سے عشق ہے؟"
شاعر کا رنگ زرد پڑ گیا۔ کیا وہ عرضِ محبّت کر دے۔ نہیں نہیں۔ اِس وقت تو اُس سے بات بھی نہیں کی جائے گی۔
"آج مجھے ذرا دردِ سر کی شکایت ہے"۔ اُس نے گھبرا کر کہا۔ "کل حاضر ہُوں گا"۔
"آپ نے اپنا کلام تو سُنایا ہی نہیں"۔
"کل..... کل مَیں آپ کو اپنی وہ غزل سُناؤں گا جس پر مجھے آل انڈیا موچی کانفرنس نے چمڑے کا میڈل پیش کیا تھا"۔
"تو کل وہ میڈل بھی ساتھ لائیے گا"۔
"میڈل۔ میڈل..... تو اب میرے پاس نہیں ہے"۔
"کیوں؟"
"ذرا..... ذرا ایک مرتبہ میرے جُوتے کی ایڑی ٹوٹ گئی تھی تو......"

"راکھشش" کے نام سے ایک عجیب افسانہ میں ظفؔر صاحب نے تمام دُوسرے افسانہ نگاروں اور مزاح

نگاروں سے ہٹ کر اپنے لئے ایک نئی اور نہایت کامیاب راہ نکالی ہے ۔ اگر اسی راستہ سے ظفر صاحب منزل سر کر لیں تو اُن کی انفرادیّت میں کسی کو کوئی شُبہ باقی نہ رہے گا ۔ ذرا اِس افسانہ کی اُٹھان ملاحظہ فرمائیے :۔

"ایک ہزار راتوں کے بعد جب پھر رات آئی تو شہر زاد نے کہا :۔

" بادشاہ سلامت ! اسمبلی کے اُمید وار نے جولاہے کو بُلا کر ایک پیالی چائے اور نمکین بسکٹ سے اس کی تواضع کی ۔ جب جولاہا فارغ ہوُا تو اسمبلی کے امّیدوار نے کہا ۔ اَے جولاہے ! آج تُو نے میرا نمک کھایا ہے۔ اب اگر تُو نے مجھے ووٹ نہ دیا تو تُو نمک حرام کہلائے گا ۔ جولاہے نے ہاتھ جوڑ کر کہا ۔ میرے ساتھ وہی سلوک نہ کیجئے ، جو زمیندار نے پٹواری کے ساتھ کیا تھا " ۔

بادشاہ سلامت مونگ پھلی کھاتے کھاتے رُک گئے ۔

" زمیندار نے پٹواری کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟" اُنھوں نے بڑے شوق سے دریافت کیا ۔

" جو درزی نے بنئے کی بیوی کے ساتھ کیا تھا" شہر زاد نے جواب دیا ۔

"اچھی شہرزاد آ تجھے مونگ پھلی دوں"۔ بادشاہ سلامت نے دو دانے اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور اگر تُو مجھے بتا دے کہ درزی نے بنئے کی بیوی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ تو کل مَیں قرض اُٹھا کر بھی تجھے سٹنڈرڈ کلاتھ کا پاجامہ، کُرتہ سِلوا دُوں گا"۔

"درزی نے بنئے کی بیوی کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا، جو راکھشش نے پری کے ساتھ کیا تھا"۔ شہرزاد نے مسکرا کر کہا۔

"شہرزاد! خدا کے لئے بتا، راکھشش نے پری کے ساتھ کیا کیا تھا"۔ بادشاہ سلامت نے بے تابانہ التجا کی۔ "مَیں تجھے کُرتے، پاجامے کے علاوہ وہ سوا روپے والا سلیپر بھی لا دُوں گا، جو اُس روز تُو نے شیخ کی دکان پر پسند کیا تھا"۔

"کیا یہ سچّا وعدہ ہے؟" شہرزاد نے پُوچھا۔

"ہاں ہاں بالکل سچّا"۔ بادشاہ سلامت نے جواب دیا۔

اِس قسم کے خدا جانے کتنے پھڑکتے ہوئے شعر اس مجموعہ میں آپ کو نظر آئینگے اور آپ میرے اِس فخر کو حق بجانب سمجھیں گے کہ مَیں ایک جدید مزاح نگار سے ادب اور ادب نوازوں کو متعارف کر رہا ہوں۔

لاہور - ۴ ستمبر ۱۹۴۳ء

شوکت تھانوی
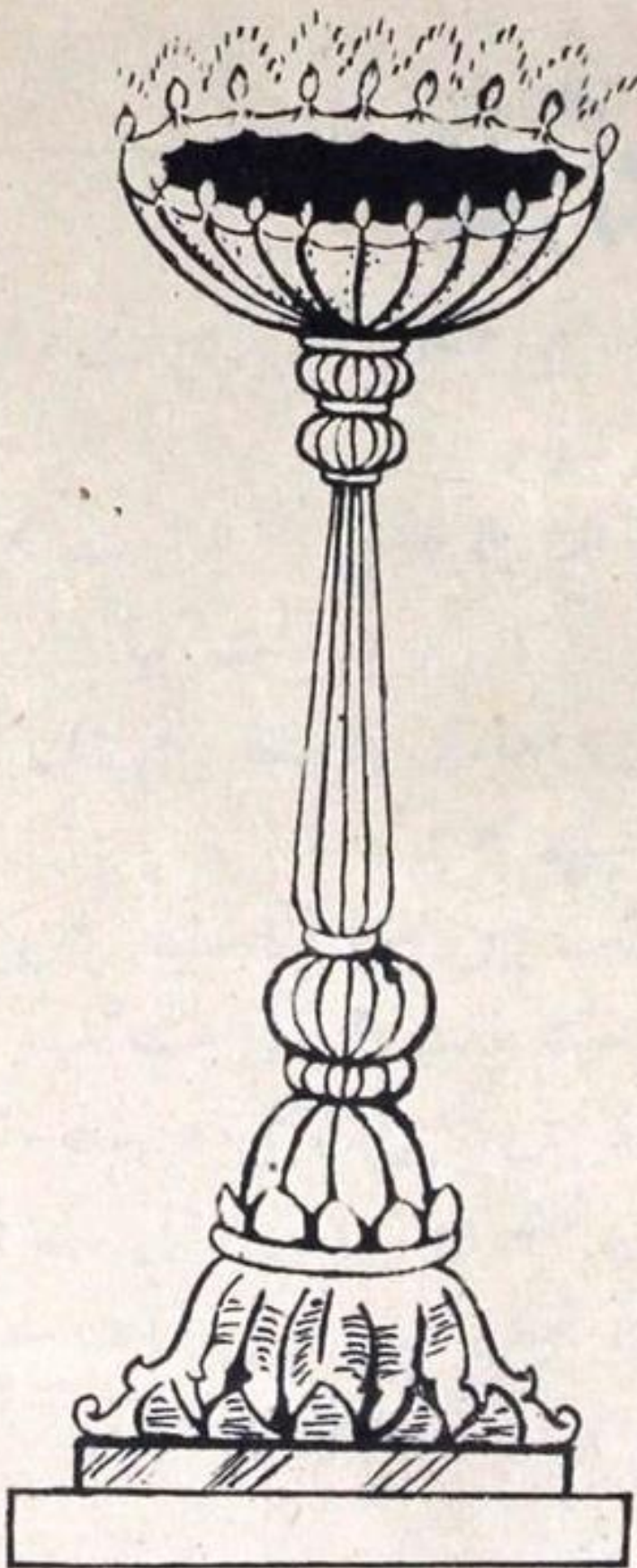
تنازعہ

تنازعہ

"آج میری طبیعت اچھی نہیں"۔ کبوتری نے دلبرانہ انداز سے پر پھڑپھڑا کر کہا ✤

"کیوں خیر تو ہے۔ ڈاکٹر بُلا لاؤں؟" کبوتر نے محبّت سے اُس کی گردن پر چونچ مار کر دریافت کیا ✤

"مَیں مرُوں یا جیوُں، تمہاری بلا سے۔ تم دن بھر دُوسروں کی بیویوں کے پیچھے پھرو" ✤

"تمہیں تو نوک جھونک میں مزہ آتا ہے۔ مَیں نے کبھی کسی دُوسری کبوتری سے بات بھی کی ہے"؟

"جھوٹا کہیں کا۔ جاؤ مَیں نہیں بولتی تم سے۔ ابھی تو مَیں نے کل تمہیں اُس سُنہری پروں والی کے ہاں جاتے دیکھا ہے۔ مَیں نے خیال کیا۔ نر کی ذات ہے۔ اب اِسے کیا کہُوں۔ ورنہ میری جگہ کوئی اَور ہوتی تو فوراً میکے چلی جاتی" ✤

"وہ تو مَیں تمہارے ہی لئے ینگ و من کبوتر ایسوسی ایشن کے قواعد و ضوابط دریافت کرنے گیا تھا۔ بڑی

سمجھ دار ہو! کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟
"نر بڑے فریبی ہوتے ہیں"
"اور مادہ؟"
"مادہ بے چاری معصوم ہے۔ جب ہی تو نر کے دام میں آ جاتی ہے"
"تو کیا تم اُسی حوّا کی صنف سے نہیں ہو، جس کے دام میں آ کر آدم جنّت بدر ہوُا تھا؟"
"یہ بھی نرُوں ہی کی شرارت ہے۔ شروع ہی سے ہمارے متعلّق جھوٹی سچّی ایک کہانی مشہور کر دی۔ تاکہ مادہ ہمیشہ کے لئے دبی رہے"
"مادہ اور معصوم ...... اچھا سیٹھ ...... کی لڑکی کو جانتی ہو؟"
"ہاں!"
"وہ اپنے شوفر سے محبت کرتی ہے۔ کل اُس کے گلے میں رومال ڈالے کھڑی تھی"
"جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ وہ تو بڑی باحیا لڑکی ہے کہاں وُہ اور کہاں موُا شوفر"
"عورت اور پھر امیر زادی۔ خدُا بچائے ...... تم اپنی صنف کی فطرت سے خوُد ہی آگاہ نہیں ہو۔ اور پھر مردِ کی شرافت یہ ہے کہ شوفر اپنے آقا کی عزّت کے خیال سے نوکری ہی چھوڑ آیا ہے"

"آج کہیں سے پی کر تو نہیں آئے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو"۔

"تم کس طرح باور کرو گی؟ مادہ ہو نا........
اور ہاں اب وہ کسی ادیب کی جستجو میں ہے۔ اُسے اُردو کا بے انتہا شوق ہے۔ بس جو بھی اُسے پسند آ گیا۔ اُس کے پو بارہ ہیں"۔

دونوں کبوتر شاعر کی ٹوٹی ہوئی کھاٹ سے کوئی دو گز دُور روشن دان میں بیٹھے تھے۔ شاعر کا دو دن سے فاقہ تھا۔ محنت مزدوری اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ شعر گوئی، مے گساری اور بُت پرستی کے سوا بے چارہ کوئی کام نہیں جانتا تھا۔

سیٹھ...... کی لڑکی کے تذکرے پر وہ چونک اُٹھا ...... اُردو...... اُردو...... صرف یہی ایک چیز تھی، جس پر اُسے قدرت حاصِل تھی۔

"میں سیٹھ کی لڑکی کو اُردو پڑھاؤں گا"۔ اُس نے جوش میں آ کر کہا اور اُسے ایسا معلوم ہُوا کہ جیسے اُس کی کامگاری کا زمانہ آ پہنچا ہے۔

دُوسرے دن وہ سیٹھ...... کی کوٹھی پر جا پہنچا۔ مُلازم اُسے ڈرائنگ رُوم میں لے گیا۔ بیش قیمت قالین، اعلیٰ صوفے اور ریشمی پردے دیکھ کر اُس نے

اپنی مَیل سے چکٹی ہوئی بوسیدہ اچکن اور کینوس کے ٹوٹے ہوئے جُوتوں پر نظر ڈالی۔ اُس کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ صوفے پر بیٹھ جائے ٭

یکایک سامنے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ ایک دوشیزہ جس کی جوانی زرق برق ساڑھی سے پھوٹ پڑتی تھی۔ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اُس کے آتے ہی ڈرائنگ رُوم انگریزی سینٹ کی کیف آور خوش بُو سے معطّر ہو گیا ٭

"آداب عرض ہے۔" اُس نے آتے ہی کہا ٭

"آداب عرض!"

ابھی دو دن پہلے شاعر نے کس بے باکی کے ساتھ نانبائی کی لڑکی کے ساتھ رسم و راہ پیدا کی تھی اور آج اُسی صنف کے دُوسرے نمونے کے سامنے اُس کا دل نہ جانے کیوں بے طرح دھڑک رہا تھا ٭

"آپ کھڑے کیوں ہیں۔ بیٹھئے نا۔" دوشیزہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ٭

"شکریہ" شاعر دُور پڑی ہوئی ایک کُرسی کی طرف لپکا ٭

"نہیں! اتنی دُور نہیں۔ یہاں بیٹھئے۔" اُس نے اپنے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا ٭

شاعر سہم کر صوفے کے دُوسرے سرے پر بیٹھ گیا ٭

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں"؟
"آپ کو ایک ادیب کی ضرورت ہے"؟
"جی ہاں! میں نے ..... آبزرور میں اس کے متعلق اشتہار بھی دیا ہے"؟
"میں اسی اسامی کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں"۔
"اِس اسامی کے لئے کئی ادیب آئے۔ لیکن وہ سب پست طبقے کے لوگ تھے۔ میں نے انہیں صاف جواب دے دیا"۔
"میرے حسب نسب سے آپ مطمئن رہیں۔ میں مغل ہوں اور میرے خاندان کو اب تک سرکار عالیہ سے ڈیڑھ آنہ ماہوار پنشن ملتی ہے"۔ شاعر نے اکڑ کر کہا اُس کے علاوہ ہندوستانی تہذیب ہماری خدمات کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ میرے پر دادا واجد علی شاہ کے زمانے کے مشہور پتنگ باز تھے"۔
"کیوں نہیں۔ آپ کی شکل و صورت ہی آپ کی شرافتِ نسلی کی دلیل ہے ...... کیا آپ کو سَو روپیہ ماہوار منظور ہے"؟
"میری اِس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہوگی کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں۔ مجھے روپے وغیرہ کی پروا نہیں"۔
"تو کل سے شام کو چھ بجے آجایا کیجئے"۔

گھر پہنچ کر جب شاعر کو اپنی ٹوٹی ہوئی کھاٹ کی رفاقت پھر حاصل ہوئی تو وُہ اِس ملاقات پر نظرِ ثانی کرنے لگا۔ "آہ! کس قدر لذیذ چھوکری تھی اور کس قدر محبّت سے پیش آئی۔ بس ذرا سی کوشش سے دام میں آ جائے گی اور پھر...... لیکن ذرا تحمّل سے قدم آگے بڑھانا چاہیئے۔ کہیں کھیل بگڑ نہ جائے"۔

رات کو اُس نے شمع کے اُجالے میں بیٹھ کر ایک نظم لکھی:-

"میری محبُوب ناشپاتی کے درخت کی طرح ہے"۔

"مَیں نیچے کھڑا حسرت بھری نگاہوں سے اُس کی ثمر دار شاخوں کو دیکھ رہا ہوں"۔

"لیکن ٹھہرو۔ نسیمِ بہار آنے والی ہے"۔

"شاید وہ اُسے جھنجھوڑتی ہوئی یہاں سے گزرے"۔

"اور کوئی ناشپاتی میری گود میں آ کر گرے"۔

"شاعر سیٹھ...... کے ہاں سے آ کر کوئی سَو مرتبہ آئینے میں اپنی صوُرت دیکھ چُکا ہے"۔ کبوتری نے ہنس کر کہا۔ "یہ ہے مرد کی فطرت۔ بس جہاں کوئی عورت دیکھی، مُنہ سے رال ٹپک پڑی۔ سیٹھ...... کی لڑکی اُسی سے تو محبّت کرے گی۔ اور کوئی ہے جو نہیں۔ ذرا شکل تو دیکھو، چُوسے ہوئے آم کی طرح"۔

"کیوں اُس کی شکل کو کیا ہے؟ بانکا سجیلا جوان ہے۔ عورت کو اور کیا چاہیئے۔ یہ تو فاقوں سے بیچارے کے گال پچک گئے ہیں" نر نے کہا۔

"عورت تو کوئی اُس کی طرف تھوکے گی بھی نہیں"

"وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا۔ ذرا سیٹھ..... کی لڑکی کے دِل سے تو پُوچھو"

"سیٹھ کی لڑکی کو تو ایسے ویسوں کی پروہ ہی نہیں"

"اور اسے بڑی پروہ ہے"؟

"یہ تو ریشہ خطمی ہو رہا ہے، چور کہیں کا۔ مرد اور پھر عورت کو دیکھ کر اُس کے دل میں بُرا خیال نہ آئے۔ یہ تو عورت کا ہی حوصلہ ہے کہ پانی میں رہ کر بھی دامن تر نہیں ہونے دیتی"

"ذرا آہستہ بولو۔ اگر شاعر کے کان میں آواز جا پڑی تو شامت آ جائے گی"

شاعر کو سیٹھ..... کی لڑکی کی ملازمت میں بیسواں روز تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کی کوئی مراد بر نہ آئی تھی۔ بر آتی بھی کیونکر؟ غرض محبّت کے خیال سے ہی اُس کا دل اس طرح دھڑکنے لگتا، جیسے انجن چل رہا ہو۔ بس وہ آتا، گھڑی دو گھڑی اُسے کوئی کتاب پڑھاتا۔

اُور بے نیل مرام لوٹ جاتا۔ آج وہ بڑا مغموم تھا۔
اُسے کامیابی کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا ۔

"کیا آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟" دوشیزہ نے
دورانِ گفتگو میں دریافت کیا ۔

"ہاں کبھی کبھی وارداتِ قلبی کو شعر کی صُورت
دے دیتا ہوں"۔

"مجھے شاعری سے بے حد محبّت ہے بے حد"۔

"یہ آپ کے ذوقِ سلیم کی دلیل ہے"۔

"کیا مَیں شاعرہ ہو سکتی ہوں"؟

"کیوں نہیں۔کوشش کیجئے"۔

"لیکن لیکن مَیں نے سُنا ہے، شاعر جب تک
کِسی کے عشق میں مُبتلا نہ ہو، اُس کے شعر شعر نہیں
ہوتے"۔

شاعر کا دل کم بخت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"بجا ارشاد ہے"۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

"کیا آپ کو بھی کِسی سے عشق ہے"؟

"شاعر کا رنگ زرد پڑ گیا۔کیا وہ عرضِ محبّت کر
دے۔ نہیں نہیں۔ اِس وقت تو اُس سے بات بھی
نہیں کی جائے گی ۔

"آج مجھے ذرا دردِ سر کی شکایت ہے"۔ اُس نے

گھبرا کر کہا "کل حاضر ہوں گا"۔

"آپ نے اپنا کلام تو سنایا ہی نہیں"۔

"کل ..... کل میں آپ کو اپنی وہ غزل سناؤں گا۔ جس پر مجھے آل انڈیا موچی کانفرنس نے چمڑے کا میڈل پیش کیا تھا"۔

"تو کل وہ میڈل بھی ساتھ لائیے گا"۔

"میڈل۔ میڈل .... تو اب میرے پاس نہیں ہے"۔

"کیوں؟"

"ذرا ...... ذرا ایک مرتبہ میرے جوتے کی ایڑی ٹوٹ گئی تھی تو ...."۔

گھر پہنچ کر شاعر اپنی ٹوٹی ہوئی کھاٹ پر جا گرا۔ اُس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ اُف! کس قدر شریر لڑکی ہے۔ آج اگر ذرا بھی جرأت کرتا تو وہ آغوش میں آ گرتی۔ اِس کم بخت دل کا بُرا ہو کہ کچھ کرنے ہی نہیں دیتا۔ کل ذرا جرأت سے کام لونگا۔ چاہے دل دھڑک کر رُک ہی کیوں نہ جائے ...... ہاں ہاں ..... کل ضرور"۔

آج رات اُس نے پھر شمع کے اُجالے میں بیٹھ کر ایک نظم لکھی:-

"اُس کی زلفِ سیاہ! بادل کی طرح ہوا کے دوش پر اُڑ رہی ہے"۔

"اُس کی آنکھیں شراب سے لبریز دو پیمانے لئے میری منتظر ہیں"۔

"اُس کے گلابی ہونٹ میرے ہونٹوں کو ترس رہے ہیں"۔

"اے زنداں کی دیوارو! میرے راستے سے ہٹ جاؤ"۔

"مجھے جانے دو"۔

"دیکھی مرد کی فطرت" کبوتر نے کہا۔ "سیٹھ کی لڑکی نے کس طریقے سے شاعر کو دام میں لانا چاہا تھا۔ لیکن واہ رے بے نیازی، وہ اسی وقت اُٹھ کر چلا آیا"۔

"واہ! یہ بھی کوئی بات ہے"۔ مادہ نے کہا۔ "شاعر کے اپنے دل میں چور تھا، جو دُم دبا کر وہاں سے بھاگ آیا"۔

"حُسن و عشق کے تذکرے عورت کرے اور چور پھر بھی مرد کے دل میں ہے۔ ذرا انصاف تو کرو"۔

"یہ تو عورت کی معصومیّت اور سادہ لوحی ہے کہ اُس نے بے باکی سے ایک بات کہہ دی اور مرد کی ذہنیت ملاحظہ ہو کہ اس کا کچھ کا کچھ سمجھا۔ یہی کہا تھا نا اُس نے "کیا آپ کو بھی کسی سے عشق ہے"؟

"تمہارے خیال میں یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی"؟

"بات کیا خاک ہوئی..... جس کے دل میں چور

ہو، وہ چاہے کچھ سمجھے"۔

دُوسرے دن شاعر دوشیزہ سے عروض پر بحث کر رہا تھا۔

"کل آپ نے اپنا کلام سُنانے کا وعدہ کیا تھا" یکایک دوشیزہ نے کہا۔

"اجی ..... کیا مَیں اور کیا میرا کلام - جو دِل پر گزرتی ہے لِکھ دیتا ہوں"۔

"اوہو! آپ شاعرانہ تکلّف برت رہے ہیں"۔

"تکلّف کی بات نہیں - سچ عرض کر رہا ہوں"۔

"تو پھر ہو جائے کوئی غزل - مَیں بھی تو دیکھوں، آج کل آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے"۔

اب موقع تھا۔

"میرے دِل پر جو گزرتی ہے آپ کو اُس سے کیا غرض"؟

"میری معلومات میں اضافہ ہی سہی" اُس نے ہنس کر کہا۔

شاعر کا دل پھر دھک دھک کرنے لگا - سانس رُک رُک کر آنے لگی۔

"خیریّت تو ہے - کیا پھر دردِ سر کی شکایت تو نہیں ہو گئی" دوشیزہ نے اُس کا اُڑتا ہؤا رنگ دیکھ کر

محبّت سے دریافت کیا ؛

"نہیں - نہیں"؛

"نہیں - آپ کو ضرور کوئی تکلیف ہے" اُس نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا ؛

"نہیں ...... میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"؛

اُف ! اس کی گویائی جواب دے رہی تھی ؛

"کیا آپ کو پیشگی روپے کی ضرورت ہے"؟ اُس نے اپنا بٹوہ نکال کر کہا ؛

"نہیں - نہیں ..... مجھے ـــــ"

"کیا آپ تنخواہ میں ترقی چاہتے ہیں"؟

"نہیں - مجھے آپ سے ......"

ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے اُس کا دل آخری بار دھڑک کر بند ہو جائے گا ؛

"ہاں ہاں ! ارشاد کیجیئے"؛

"مجھے ..... مجھے آپ سے محبّت ہے"؛

دوشیزہ کا رنگ انار کی طرح سُرخ ہو گیا ؛

"بے جُرأت" وہ تڑپ کر اُٹھ بیٹھی - نمکحرام - پاجی؛

شاعر کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہ رنگ اختیار کرلے گا - وہ لڑکھڑا کر اُٹھ بیٹھا ؛

"میری ہمدردی کا یہ فائدہ اُٹھایا تم نے" دوشیزہ نے اُس کی گردن میں اپنا ریشمی رومال ڈال کر مروڑنے

ہوئے کہا: "اب جاتے کہاں ہو؟ مَیں تمہاری زبان کاٹ کے رہوں گی"۔

"اُف! مَیں مر گیا"۔

"رذیل کُتّے بھی کہیں مرتے ہیں"۔

اُس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔

"خدا کے لئے..... اوہ..... خدا کے لئے"۔

شاعر اپنے کینوس کے ٹوٹے ہوئے جُوتوں کا ایک پاؤں وہیں چھوڑ کر بھاگ آیا۔ رات بھر وہ درد سے کراہتا رہا۔ سب معاملہ اُس کے لئے ایک معمّہ تھا۔ کیا دوشیزہ اُس سے زیادہ موردِ الزام نہیں تھی؟ کیا اُس نے اُس کے ساتھ محبّت بھری باتیں کرکے اُسے اُکسایا نہیں تھا؟ اِس کے بعد اگر کوئی مرد آپے سے باہر ہو جائے تو کیا واقعی وہ سزا کا مستوجب ہے؟

"مَیں سچّا تھا نا" دُوسرے دن کبوتر نے کبوتری سے کہا۔

کبوتری نے حیا سے نظر نیچی کر لی۔

"اب بولتی کیوں نہیں؟ دیکھا کل سیٹھ کی لڑکی کِس محبّت سے شاعر کی گردن میں رُومال ڈالے کھڑی تھی"۔

"لیکن پیارے وہ کچھ خفا سی معلوم ہوتی تھی"۔

"جب کسی عورت کی محبّت ٹھکرا دی جائے تو وہ لازمًا چڑ چڑا پن دکھائے گی۔" نر نے کہا۔ "یہ ہے تمہاری صنف کی کرتُوت۔ اب بتاؤ عورت معصُوم ہے یا مرد۔ ہم ذرا دُور بیٹھے تھے، ورنہ بڑا مزہ آتا دونوں کی گفتگو سُن کر۔"

بے چارے شاعر نے بھی اُس شوفر کی طرح ملازمت چھوڑ دی ہے۔" کبوتری نے کہا اور ندامت سے چونچ پروں میں لے لی ٭

شاعر نے آگ بگولہ ہو کر اپنے ٹوٹے ہوئے کینوس کے جُوتے کا دُوسرا پاؤں اُن کی طرف کھینچ مارا ٭

مولانا

اس افسانے میں جس جنّت کا منظر پیش کیا گیا ہے
وہ ایک ہوس پرست اِنسان کی ذہنی تخلیق ہے۔
اسے جنّت کے اسلامی تخیّل پر طنز نہ سمجھا جائے۔

مولانا

جنّت میں عرشِ بریں کی طرف فرّاٹے بھرتی جا رہی تھی۔ مولانا فرسٹ کلاس کے ایک ڈبّے میں بیٹھے حورانِ جنّت کے خیال میں مست تھے۔ اُن کی داڑھی اُن کے دلولوں کے ساتھ ہوا میں اُڑ رہی تھی ؛

مولانا کی تمام عمر مسجد کی امامت میں گزری۔ محلّے بھر میں اُن کے زُہد کی دُھوم تھی۔ پچھلی جمعرات کو ایک مرید کے ہاں مدعو تھے۔ دعوت پر تکلّف تھی۔ لیکن اُنہیں اِس سے کیا؟ صرف مُرید کی حوصلہ افزائی کے خیال سے ذرا دو نوالے زیادہ اُٹھا لئے۔ گھر لوٹے تو معدہ میں درد سا معلوم ہُوا۔ مریدوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے اکثر اس قسم کی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک معجونِ ہاضمہ دہلی کے کسی یونانی دوا خانے سے خاص طور پر بنوا کر رکھ چھوڑی تھی۔ اس کا اِستعمال کیا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ ہُوا رات جُوں تُوں کرکے کاٹی۔ صبح ہوئی تو تکلیف اور

بڑھ گئی۔ حکیم صاحب آئے۔ انہوں نے نبض دیکھی۔
زبان کا ملاحظہ کیا اور رائے دی کہ ہیضہ معلوم ہوتا
ہے۔ اب تو ہر کوئی متفکّر نظر آنے لگا۔ سول سرجن
کو بُلایا گیا۔ مسجد میں دُعا ہوئی۔ خیرات بٹی، لیکن بےسُود
مرض زور پکڑتا گیا اور آخر شام کو مولانا اپنے اکّیس
بچّوں اور ساتویں تیرہ سالہ بیوی کو بے یار و مددگار
چھوڑ کر چل بسے۔

احکام صادر ہو چکے تھے۔ چُنانچہ جیسے ہی خویش و
اقارب اُنہیں دفنا کر لوٹے، آسمانی ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ
(محکمۂ رُسل و رسائل) نے اُنہیں جنّت میل میں سوار
کرا دیا۔

اُس شخص کے ولولوں کا اندازہ کیجئے، جس نے
ساٹھ برس تک دُنیاوی خواہشات کے طوفان کو اِس لئے
روکے رکھا ہو کہ وہ جنّت میں بطرزِ احسن دل کی حسرتیں
نکال سکے۔ جنّت کے خیال سے مولانا کے دل میں
بتاشے پھُوٹ رہے تھے اور وہ جنّت کی زندگی کا پروگرام
مرتّب کرنے میں اِس طرح محو تھے کہ وقت گزرتا ہُوا
معلوم نہ ہُوا۔ خدا جانے کِتنی مدّت کے سفر کے بعد
گاڑی یکایک رُکی۔

"جنّت ٹرمینس۔ جنّت ٹرمینس۔" باہر سے آواز آئی۔
مولانا کا سلسلۂ خیالات ٹوٹ گیا۔ اُنہوں نے کھڑکی

میں سے دیکھا - گاڑی ایک عالی شان اسٹیشن پر کھڑی تھی - سونے اور چاندی کے پلیٹ فارم پر جواہرات سے مینا کاری کی گئی تھی - زہرہ جبین کنواریاں اور خوش اندام چھوکرے آہوؤں کی طرح اِدھر اُدھر طرارے بھر رہے تھے ۔

"آداب عرض ہے" - ایک لڑکی نے قریب آ کر مولانا سے کہا ۔

"اوہو! آداب عرض - آداب عرض" مولانا کے منہ سے رال ٹپک پڑی ۔

"مولانا آپ ہی کا اسم گرامی ہے"؟

"جی ہاں! اِسی نیازمند کو مولانا کہتے ہیں"۔

"میں ری سیپشن کمیٹی (مجلس استقبالیہ) کی سکرٹری ہوں - تشریف لایئے - آج آپ ریسٹ کیمپ میں رہینگے"۔

"سمجھا - سمجھا" مولانا نے گاڑی سے اُترتے ہوئے کہا ۔

لڑکی نے اپنی نازک اور لمبی اُنگلیوں والے خوش نما ہاتھ سے مولانا کو سہارا دے کر نیچے اُتارا - گرم و گداز ہاتھ کے چھونے سے اُن کے بوڑھے جھری دار جسم میں جوانی دوڑنے لگی - لڑکی اُسی طرح سہارا دیئے ہوئے انہیں باہر لائی - سامنے ایک بیش قیمت کار کھڑی تھی - دونوں اُس میں جا بیٹھے ۔

"ریلیف کیمپ" لڑکی نے شوفر سے کہا اور کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"کیا آپ حورانِ جنّت میں سے ہیں؟" مولانا نے لڑکی سے دریافت کیا۔

"ہاں میں حور ہوں۔"

"خوب! خوب!! اور یہ شوفر؟"

"یہ فرشتہ ہے۔"

"آپ کب سے جنّت میں ہیں؟"

"یہی کوئی دس کروڑ برس سے۔"

"دس کروڑ برس...... دس کروڑ برس۔" مولانا نے حیران ہو کر دریافت کیا۔ "تو کیا آپ بوڑھی ہیں؟"

"نہیں۔" حور نے مسکرا کر کہا۔ "یہاں کی آب و ہوا زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ یہاں کا پبلک ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ (محکمۂ حفظانِ صحت) ہر پچاس سال کے بعد آپریشن کے ذریعہ ساکنانِ جنّت کی مردہ غدودیں نکال کر ان کی جگہ بندروں کی تازہ غدودیں داخل کر دیتا ہے۔ جن سے جوانی برقرار رہتی ہے۔ جنّت میں نئے داخل ہونے والوں کا بھی اسی طرح آپریشن ہوتا ہے۔ آپ کو بھی کل ہاسپٹل میں داخل کر دیا جائے گا۔"

ریلیف کیمپ پہنچ کر رات کو دیر تک وہ ری سیپشن

کمیٹی کی سرکردہ حُور کے ساتھ دریچے میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ دریچہ سے مُلحقہ باغ کا منظر نہایت خوشگوار تھا۔

"آہ! کس قدر پُر فضا مقام ہے"۔ مولانا نے کہا۔

"ابھی آپ نے جنّت تو دیکھی ہی نہیں"۔ حُور نے جواب دیا۔ "یہ جگہ تو اُس کے مضافات میں ہے"۔

"تو کیا جنّت اِس سے بھی زیادہ دلکش ہے"؟

"اِس سے بھی زیادہ"۔

"آپ سے زیادہ تو نہیں"؟ مولانا نے جرأتِ رندانہ کی سعی کرتے ہوئے کہا۔

حُور نے حیا سے سر جھکا لیا اور دُزدیدہ نظر سے اُن کی داڑھی کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"یہاں میرا قیام کب تک رہے گا؟" مولانا نے دریافت کیا۔

"صبح تک .... کل آپ کو جنرل ہاسپٹل جانا ہوگا"۔

"کیا مَیں ایک دو دن اَور آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتا"؟ مولانا نے حریص نگاہوں سے حُور کی طرف دیکھا۔

"آج کل جنگ کے باعث کُرۂ ارض سے مُسافر زیادہ تعداد میں آ رہے ہیں اَور ہمارے پاس اکاموڈیشن (جگہ) تھوڑی ہے"۔

ڈوسرے دِن صبح پبلک ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ سے ایک فرشتہ ایمبولینس کار لے کر آ گیا اور مولانا کو ہاسپٹل میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں اُسی دن آپریشن سے بندر کی تازہ غدودیں اُن میں داخل کر دی گئیں۔ وہ تقریباً ایک ہفتہ ہاسپٹل میں رہے، جہاں نرس حُوروں نے اُن کی خدمت کی۔ اِس اثنا میں جنّت کے بارک ماسٹر نے اُن کے مستقل قیام کے لئے ایک محل آراستہ کر دیا اور آخر ایک خوبصُورت کار میں جو مستقل طور پر انہیں استعمال کے لئے ملی تھی، وہاں پہنچا دیا گیا۔

. . . مولانا اب ساٹھ برس کے بوڑھے نہیں، بلکہ بیس برس کے جوان معلوم ہوتے تھے۔

مولانا کا محل ریسٹ کیمپ کی عمارت سے کئی گنا خوبصُورت تھا۔ ان کی سیکرٹری نے جو ایک بے اِنتہا خوبصُورت حُور تھی، اُن کے عملے سے جو کئی خوبصُورت حُوروں اور غلمانوں پر مشتمل تھا، اُن کا تعارف کرایا اور مولانا شام تک ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے حسین کنیزوں سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر جب ڈنر کا وقت قریب آ گیا تو سکرٹری کو تنہائی کا موقع مِلا۔

"کیا آپ کو یہاں کی زندگی کا پروگرام معلوم ہے؟" اُس نے دریافت کیا۔

"نہیں تو"

"صبح آپ کو بیڈ ٹی کس وقت چاہیئے؟"
"غسل کے بعد"۔
"غسل کے بعد" سیکرٹری نے حیرت سے کہا۔
"وہ تو بریک فاسٹ کا وقت ہے"۔
"تو کیا میں بغیر مسواک کئے چائے پیوں گا؟"
"بیڈ ٹی صبح سویرے بستر پر ہی پی جاتی ہے"۔
اس نے کہا۔ "میں کل آپ کے لئے پیرا ڈائیز اٹیکٹیس پر کسی مستند مصنّف کی کتاب خرید لاؤں گی۔ اُس کا مطالعہ ضرور کیجیے"۔
"لیکن بغیر مسواک کئے کھانا پینا تو ناجائز ہے"۔
"جنّت میں جائز اور ناجائز کا کوئی امتیاز نہیں"۔
"اچھّا تو جب چاہے بھجوا دیجئے..... ہاں مگر بالائی والی چائے ہوگی نا..... کشمیری..... اور باقر خانی بھی"۔
"سپلائی ڈیپارٹمنٹ صرف کالی چائے بھیجتا ہے اور باقر خانی وغیرہ بھی نہیں ہوگی۔ بیڈ ٹی صرف معدہ صاف کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ بریک فاسٹ آپ کو نو بجے کھانا ہوگا"۔
"جو آپ کی مرضی"۔
"اچھّا تو پالر میڈ صبح سات بجے آپ کے لئے بیڈ ٹی لے آیا کرے گی"۔
"گیا میں سات بجے تک بستر پر ہی رہوں گا.....

اور عبادت"؟

"جنّت میں رہنا ہی عبادت ہے"۔ اُس نے کہا۔
"بیڈ ٹی کے بعد شیو (حجامت) کے لئے پانی بھیج دیا جائیگا"۔
"شیو! کیسی شیو؟" مولانا نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"حوریں ذرا داڑھی کو پسند نہیں کرتیں"۔

"ہوں!" مولانا نے اپنی ریشِ دراز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "پھر تو شیو کرنی ہی پڑے گی۔ لیکن معاف کیجیئے گا۔ کیا دُنیا اور کیا جنّت، عورتوں کی فطرت ہر جگہ ایک سی ہے۔ ابھی کوئی دو برس کی بات ہے۔ مَیں نے اپنے شہر کی ایک طوائف شمشاد کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ کہاں مَیں اور کہاں دنیاوی خواہشات، صرف اُسے گُناہ کی زندگی سے بچانا منظور تھا۔ لیکن اُس احسان فراموش نے میرے ایثار کی ذرّہ بھر پروانہ کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ مَیں داڑھی والے سے شادی نہیں کرتی"۔

"اِس کے بعد غسل کر کے ڈریس کر لیجئے گا"۔
"ہاں.... ہاں۔ لیکن شیروانی حیدر آبادی ہونی چاہئے۔
...... اور پاجامہ بھی ذرا اونچا ہو"۔

"یہاں آپ کو سُوٹ اِستعمال کرنا ہوگا۔ شیروانی وغیرہ نہیں مِلے گی۔ یہاں یہ عزّت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی"۔

"پھر وہی دنیا کی سی بات ...... میرے محلّے میں ایک آوارہ مزاج امیر زادہ رہا کرتا تھا۔ اُسے ہزار مرتبہ سمجھایا کہ کوٹ پتلون کافروں کا لباس ہے۔ لیکن کم بخت ہمیشہ یہی کہتا کہ مولانا سوسائٹی میں اِس کے بغیر عزّت نہیں"۔

"اچھّا تو اِس کے بعد بریک فاسٹ کھائیے گا اور پھر اگر مطالعہ کرنا چاہیں یا کسی فنِ لطیف پر کسی حُور کے ساتھ تبادلۂ خیال کرنا چاہیں تو لائبریری میں بیٹھئے گا ورنہ کار تیّار رہے گی۔ بازار میں جائیے گا یا کسی ہمسائے سے ملیئے گا۔ آپ کی مرضی ہے"۔

"میرے ہمسائے کون کون سے ہیں"؟

"میرے خیال میں آپ اپنے شہر کے لوگوں سے مل کر زیادہ خوش ہوں گے ..... یہ صوفی ..... آپ کے شہر کے ہیں"۔ حور نے "ہوز ہو" دیکھ کر کہا۔

"صوفی ..... نام نہ لیجئے اِس خبیث کا۔ میرے ایک مرید نے مرتے وقت اپنا کچھ روپیہ میرے پاس امانت رکھ دیا تھا کہ اُس کا لڑکا جب بڑا ہو تو اُسے دے دُوں لڑکا بڑا ہو کر آوارہ ہو گیا۔ مَیں نے یہ سمجھ کر کہ یہ عیش و عشرت میں اُڑا دے گا اور باپ کی رُوح خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گی، سب روپیہ کارِ خیر میں لگا دیا اور زمانے کی ناقدردانی ملاحظہ ہو .....

صوفی ..... نے مشہور کر دیا کہ مولانا نے یتیم کا مال ہضم کر لیا ہے"۔

"یہ حافظ ..... بھی آپ کے شہر کے ہیں"۔

"حافظ ..... یہ صوفی ..... سے بھی زیادہ مردود ہے۔ میں اپنے مریدوں کی بیویوں سے جن کو وہ لاوارث چھوڑ کر مر جاتے تھے، شادی کر لیتا تھا کہ کہیں یہ بُرے راستے پر نہ لگ جائیں۔ حافظ ..... نے محلّے بھر میں کہ دیا کہ مولانا شریعت کے پردے میں رنڈی بازی کرتے ہیں"۔

"اچھّا تو یہ قاضی ..... بھی آپ کے شہر کے ہیں"۔

"قاضی ..... دُور کیجئے۔ یہ ان دونوں سے بڑھ کر حرام زادہ ہے۔ میرے لڑکے کے متعلق کہا کہ شرابی ہے۔ رنڈی باز ہے اور وُہ اتنا معصُوم کہ دُنیا کی خبر ہی نہیں۔ میں تو حیران ہوں، ایسے لوگ جنّت میں کِس طرح آئے۔ میں تو کہیں آنے جانے کا نہیں۔ میرے لئے آپ کی صحبت غنیمت ہے"۔

"خیر تو ایک بجے لنچ ہُوا کرے گا۔ اِس کے بعد ۴ بجے تک آرام کیجئے۔ چار بجے ٹی ہُوا کرے گی۔ ٹی پی کر ٹینس کھیلئے یا میونسپل گارڈن کی سَیر کیجئے۔ وہاں سے لوٹ کر آپ کو ڈنر کے لئے ڈریس کرنا ہوگا اور ہاں ڈنر پر آپ کونسی وِسکی پئیں گے؟"

"وسکی" مولانا نے حیران ہو کر کہا۔ "جنّت میں تو شراب طہور ملتی ہے"۔

"جی ہاں" سیکرٹری نے کہا۔ "لیکن چیز ایک ہے۔ آپ جس نام سے چاہیں پکاریں"۔

"اچھا تو پھر جو آپ پلائیں گی، پی لوں گا۔ میرا اپنا تجربہ تو اس معاملے میں صفر کے برابر ہے"۔

"ڈنر کے بعد حُوروں کے ساتھ برج کھیلئے یا کسی تفریح گاہ میں چلے جائیے۔ یہاں بیشمار سینما ہیں، تھیئٹر ہیں، ڈانس ہال ہیں۔ آپ کو اپنا ذوق دیکھنا ہوگا"۔

"اس زندگی سے مجھے کچھ اجنبیّت کی بُو آتی ہے۔ لیکن کوئی پروا نہیں۔ آپ کی عنایت شامل حال رہی تو آہستہ آہستہ یہ اجنبیّت جاتی رہے گی۔ اگر دُنیا میں مجھے تھوڑی سی مدّت کے لئے بھی اس پیمانے کی زندگی بسر کرنے کی اجازت ہوتی تو یہاں اِن دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا"۔

"آپ بجا ارشاد فرماتے ہیں"۔ حُور نے کہا۔ "میں کئی کروڑ برس سے جنّت میں ہوں اور ابھی تک یہ معمّہ حل نہیں کر سکی کہ فطرت ایسے لوگوں کو جو دنیا میں اعلیٰ پیمانے کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے حقیقی معنوں میں جنّت کی زندگی کے قابل ہیں، کیوں جہنّم میں جھونک دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو جو اعلیٰ زندگی کے اصولوں کو جانتے تک

نہیں، کیوں یہاں بھیج دیتی ہے۔ اس سے نہ صرف جنّت کے ڈسپلن میں فرق آتا ہے۔ بلکہ جنّت کے عملے کو ایسے لوگوں کی ٹریننگ کے لئے بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاف کیجئے، میں کسی کی ذات پر حملہ نہیں کر رہی"۔

"ارے ارے ..... نہیں نہیں" مولانا نے کھسیانے ہو کر کہا +

" ایک دفعہ دو آدم خور قبیلوں میں جنگ کے دَوران میں فطرت نے پانچ سَو کے قریب آدم خوروں کو جنّت میں داخل کر دیا۔ انہوں نے آتے ہی حُوروں کے مُنہ بھنبھوڑ کھائے۔ سیکڑوں حُوروں کو ہاسپٹل بھیجنا پڑا۔ جنّت میں عام ہڑتال ہوگئی۔ لیکن پولیس نے اُلٹا حوروں پر جبر و تشدّد کر کے معاملے کو دبا دیا۔ ہم حُوروں کی حیثیت یہاں غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ خطا کسی کی ہو، ملزم ہم گروانے جاتے ہیں۔ پچھلے سال ایک شیخ صاحب جنّت میں آئے۔ اُن کے منہ سے ایسی بدبُو آتی تھی کہ کئی نازک مزاج حوروں کو قے ہو گئی۔ چنانچہ ایک حُور نے اُن کے پاس رہنے سے اِنکار کر دیا۔ شیخ صاحب کی رپورٹ پر اُس بے چاری کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور عدالت سے اُسے سات سال کی قید ہو گئی ...... ہاں تو اب ڈنر کی گھنٹی ہونے والی ہے۔ ڈریس کر لیجئے۔

مَیں کسی مبڈ سرونٹ کو آپ کی اِمداد کے لیئے بھیجتی ہوں"۔
ڈنر کی گھنٹی پر مولانا ڈرائنگ رُوم میں جا پہنچے۔ سیکرٹری اَور ایک اسسٹنٹ حُور پہلے سے وہاں موجود تھیں تینوں میز کے گرد بیٹھ گئے۔ پارلرمیڈ وِسکی کا فلاسک لے کر بیکی اَور مولانا کے آگے دھرا ہوُا گلاس پُر کرنے لگی۔
مولانا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس اُٹھا کر ایک گھونٹ پیا۔ شراب کی کڑواہٹ پر مُنہ بنایا اَور پھر آنکھیں بند کرکے غٹاغٹ پُورا گلاس چڑھا گئے۔
"اب مَیں سمجھا"۔ مولانا نے کہا۔" ذرا اِس گلاس کو پھر بھر دینا"۔
پارلرمیڈ نے گلاس دوبارہ بھر دیا۔
"کیا کہا آپ نے؟" سیکرٹری نے دریافت کیا۔
"اب مَیں سمجھا"۔ مولانا نے سُرور میں آکر جھُومتے ہوئے کہا اَور دوسرا گلاس خالی کر دیا۔
"کیا؟" سیکرٹری نے دریافت کیا۔
"شراب کا مزہ" مولانا نے زیادہ سرور میں آ کر پیلے پیلے دانت نکال کر کہا۔" شرراب کا مزہ ...... کلیوں کی آنکھوں میں لاَ لاَ لاَ لاَ"۔
"آپ کو سرور ذرا زیادہ ہو گیا ہے"۔ سیکرٹری نے کہا۔
"سُرور..... سُرور..... سُرور..... پنچھی جا..... پیچھے

رہا ہے ہاں ہاں پیچھے بچپن میرا ..... اُس کو جا کر ..... ایک اُور گلاس لا"۔

"میرے خیال میں آپ کو پہلے دن اِتنی شراب نہیں پینی چاہئے۔ نقصان کرے گی"۔

"نہیں پینی چاہئے .... نہیں پینی چاہئے ... پینی چاہئے .... پینی چاہئے ..... ہم کو ہیں پیاری ہماری گلیاں ..... ہماری گلیاں ..... ہماری گلیاں ..... نہیں پینی چاہئے۔ پھر کہو نہیں پینی چاہئے ..... بڑی خوبصورت ہو ..... موتی چُور کا لڈّو ..... برفی کی ڈلی ... لاؤ تو ایک بوسہ بالم آؤ بسو مورے من میں ..... بالم آؤ بسو وو و"۔

مولانا جھومتے ہوئے اُٹھے اُور بھوکے گیدڑ کی طرح اسسٹنٹ سیکرٹری پر جھپٹے۔ بے چاری حُور کے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"گلاس اِن کے سامنے سے اُٹھا دو"۔ سیکرٹری نے پارلرمیڈ سے کہا "اُور دوڑ کر سرکہ لے آؤ"۔

"لاؤ لاؤ، سرکہ لاؤ۔ پلاؤ پلاؤ ..... پی لے۔ پی لے ..... ہاں ہاں ..... پی لے، پی لے، جوانیاں ..... ہا ہا تم بالکل میرے ایک مرید کی لڑکی کی طرح ہو۔ (اسسٹنٹ کی طرف اشارہ کرکے) اوہو... ہو... ہو... ہو ہیں نے ایک دن برکت دیتے ہوئے اُس کا سینہ جو ٹٹولا تو اوہو ہو ہو .... چل چل رے نوجوان ..... چل

چل رے نوجوان"۔
پارلر میڈ سرکہ لے کر آن پہنچی۔ سیکرٹری نے زبردستی تھوڑا سا گلاس میں ڈال کر مولانا کو پلا دیا..... اُن کا نشہ ذرا کم ہوُا تو ڈنر شروع ہو گیا۔ لیکن بھوک کسے تھی۔ کسی نے دو چار سے زیادہ لقمے نہ اُٹھائے۔
"مولانا! اب آپ کو آرام کرنا چاہیئے" ڈنر برخاست ہونے پر سیکرٹری نے کہا۔ "جو لوگ شراب کے عادی نہیں اُن کو اِس کے بعد کے اثرات ذرا تکلیف دیتے ہیں"۔
"میرے ساتھ وہ جائے گی" مولانا نے اسسٹنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہاں" سیکرٹری نے حُور کو کہا۔ "تم اِن کے ساتھ جاؤ"۔
اسسٹنٹ کا چہرہ اُتر گیا۔ لیکن حکمِ حاکم مرگِ مفاجات چُپ چاپ مولانا کے ساتھ ہو لی۔ مولانا نے بیڈ رُوم میں پہنچ کر اندر سے دروازہ مقفّل کر دیا۔
"آؤ پیاری!" مولانا نے اسسٹنٹ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا اور للچائی ہوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔
"مولانا! مجھے معاف کر دیجئے" حُور نے سہم کر ملتجیانہ انداز میں کہا۔
"اہاہاہا ..... معافی کیسی؟ ..... اِدھر آؤ"۔

"بس بس دُور رہیے گا۔" حُور نے بھڑک کر کہا ٭
"یہ بات ہے"؟ مولانا نے ہنس کر کہا اور زبردستی اُس سے چمٹ گئے ٭
"چھوڑ دو مجھے۔ چھوڑ دو مجھے۔" حُور نے مولانا کے منہ پر طمانچے مارتے ہوئے کہا ٭
"یہ دلیری ... خبیث کہیں کی ..... مرُدود ...... یزید کی بچّی ! اگر تجھے سات سال کے لئے جیل نہ بھجوایا تو
مولانا نے حُور کو چھوڑ دیا اور وہ ہانپتی ہوئی ایک آرام کرُسی پر جا گری ٭
"مَیں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔" مولانا نے ٹیلیفون کا رسیور اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا" ٭
حُور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ کر رونے لگی ٭
"خُدا کے لئے ایسا نہ کیجئے۔" اُس نے سِسکیاں بھرتے ہوئے کہا ٭
مولانا نے ٹیلیفون کا رسیور ہاتھ سے رکھ دیا۔ یُوں بھی ٹیلیفون کرنا تو آتا ہی نہیں تھا۔ سستے چھوٹے ٭
"آؤ تو اپنی مرضی سے گلے لگ جاؤ" ٭
"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔" اُس نے زیادہ زور سے سِسکیاں بھرتے ہوئے التجا کی ٭

"آتی ہو یا کروں ٹیلی فون"؟

"اوہ! نہیں نہیں"

"تو پھر آؤ"

حُور با دلِ ناخواستہ اُٹھی، وہ برابر رو رہی تھی

"آخر تم روتی کیوں ہو؟" اُنہوں نے اُس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ وہ ریشہ خطمی ہو کر ذرا نرم پڑ گئے تھے

"کچھ نہیں" حُور نے سِسکیاں بھرتے ہوئے جواب دیا

"نہیں کچھ تو ہے" مولانا نے ذرا نرمی سے دریافت کیا۔ "کیا تمہیں کسی اَور سے محبت ہے؟"

حور خاموش رہی

"بتاؤ بھی خاموش کیوں ہو؟"

"ہاں" حُور نے شرما کر دبی زبان سے کہا

"کون ہے وہ"؟

"کوئی نہیں"

"تمہیں بتانا پڑے گا" مولانا نے کہا۔ "کیا وُہ کوئی فرشتہ ہے؟"

"نہیں وہ ایک نوجوان ہے..... دُنیا سے آیا ہے"

"رہتا کہاں ہے وُہ"؟

"جہنم میں"۔

"جہنّم میں۔ جہنّم میں"۔ مولانا نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں" حور پھر منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

"تمہیں اُس سے بڑی محبّت ہے"؟

"جی ہاں!

خدا جانے کیوں عمر بھر میں پہلی مرتبہ مولانا کا دل پسیج گیا۔

"روؤ نہیں۔ تم جا سکتی ہو"۔ اُنہوں نے کہا۔

"شکریہ" حور نے کہا۔

اُس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح جھلملا رہے تھے۔

"کیا آپ کو کسی اَور چیز کی ضرورت ہے"؟

"نہیں"۔ مولانا نے سرد آہ بھر کر کہا۔" ارے ہاں ..... دو تین استنجے کے ڈھیلے ضرور میز پر رکھ دینا"۔

شِکاری کُتّا
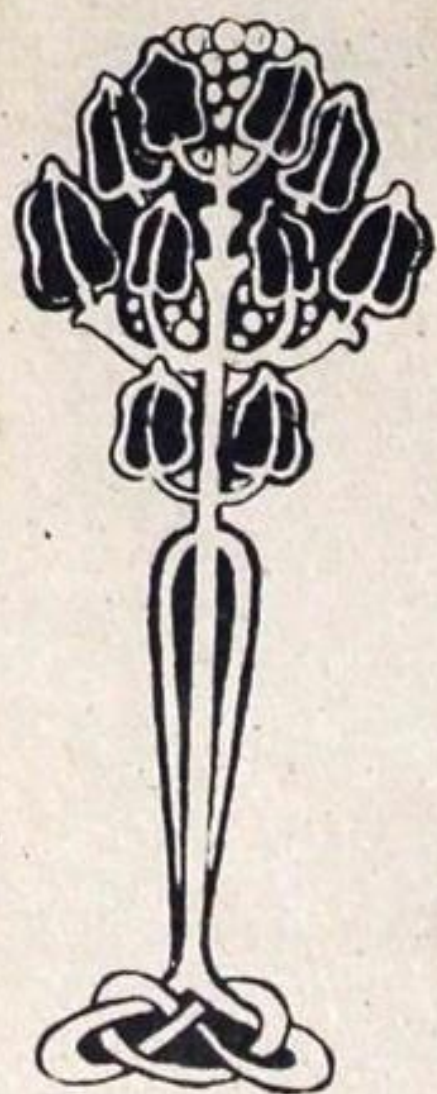
شکاری کُتّا

افراد

زاہدہ ـــــــــ حوّا کی ایک بیٹی
نجمہ ـــــــــ حوّا کی دُوسری بیٹی
جاوید ـــــــــ حضرت آدمؑ کے ایک نورِ نظر
چنبیلی ـــــــــ ایک کنیز
سوسن ـــــــــ ایک اَور کنیز

منظرِ اوّل

سہ پہر کا وقت ، زاہدہ کا ڈرائنگ رُوم جیسا کہ ایک ڈرائنگ رُوم ہوتا ہے ۔ زاہدہ دیوار پر ایک تصویر کی طرف دیکھ رہی ہے ۔ نجمہ ایک صوفے پر نیم دراز ایک رسالے کا مطالعہ کر رہی ہے +

زاہدہ (تیوری چڑھا کر) "اونہہ" +

نجمہ (رسالے سے نظر اُٹھائے بغیر) "ہوں" +

زاہدہ (نجمہ کی طرف دیکھ کر) "کیا ؟"

نجمہ (زاہدہ کی طرف دیکھ کر) "کیا؟"
زاہدہ (تصویر کی طرف اشارہ کرکے) "اِس نے "بانکے سنوریا" میں کام کیا ہے"۔
نجمہ (پھر مطالعے میں مصروف ہو کر) "ہاں"۔
زاہدہ (تیوری چڑھا کر) "اونہہ"۔
نجمہ۔ "کیا؟"
زاہدہ۔ "یہ ڈائریکٹر لوگ بھی نہ جانے کس دساور سے پارسل ہو کر آتے ہیں"۔
نجمہ۔ "کیوں"؟
زاہدہ (پھر تصویر کی طرف اِشارہ کرکے) یہ بھی کسی ڈائریکٹر ہی کا انتخاب ہے نا۔ ذرا صُورت تو دیکھو اِس کی"۔
نجمہ (بے نیازی سے) "ہوں"۔
زاہدہ۔ "ساڑھی باندھنے کا بھی تو سلیقہ نہیں ہے بائی جی کو"۔
نجمہ۔ "ہوں"۔
زاہدہ۔ "اِس قِسم کا بلاؤز بھی کبھی اِس ساڑھی پر سج سکتا ہے"؟
نجمہ (مطالعے میں محو) "ہاں..... نہیں"۔
زاہدہ۔ "بلاؤز فِٹ بھی تو نہیں ہے"۔
نجمہ (بغیر نظر اُٹھائے) "ہاں"۔
زاہدہ۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی موچی سے سلوا رکھا ہے"۔ (خُود

بخود ہنس دیتی ہے)" چھوٹے بھائی جان فدا ہو ہو جاتے ہیں اِس تصویر پر۔ اُنہیں کی خاطر یہ ابھی تک یہاں موجود ہے۔ ورنہ میں نے تو اُتار کر کبھی کی پھینک دی ہوتی کھڑکی کے باہر"

نجمہ (کسی اَور خیال میں) "ضرور ضرور"

زاہدہ "یہ مردوے بھی گدھے ہوتے ہیں بدّھو کہیں کے"

(چنبیلی اندر آتی ہے)

چنبیلی "سرکار! جاوید میاں آئے ہیں"

نجمہ (چونکتی ہو کر) "یہ جاوید میاں کون ہیں؟"

زاہدہ "سب سے بڑے بُدّھو"

نجمہ (رسالہ ایک طرف رکھ کر حیرت سے) "سب سے بڑے بُدّھو؟"

زاہدہ "ہاں! آپ یہاں کے رئیس زادے ہیں اَور... اَور میری محبّت کا دم بھرتے ہیں"

نجمہ "اوہو! میں سمجھی"

زاہدہ (چنبیلی سے) کہ دو میں مصروف ہوں۔ میری ایک سہیلی آئی ہوئی ہے"

چنبیلی "انہوں نے کہا ہے، اگر آج بھی ملاقات نہ ہوئی تو وہ کچھ کھا کر خودکشی کر لیں گے"

زاہدہ "ایک بار نہیں سَو بار خودکشی کرے۔ میں نے کہ دیا ہے کہ میں نہیں مل سکتی ... نہیں مل سکتی"

چنبیلی :- "سرکار! پرسوں بھی آپ نے اُن سے مُلاقات
نہیں کی تھی اور اُنھوں نے چھوٹے میاں کے بادامی
بوٹ پالش کی ڈبیہ کی ڈبیہ کھالی تھی"۔
زاہدہ :- "مَیں اِن باتوں کی پروا نہیں کرتی"۔
چنبیلی :- "آپ پروا کریں یا نہ کریں۔ لیکن چھوٹے میاں
تو کرتے ہیں۔ وہ آج میرے سر ہو رہے تھے"۔
زاہدہ :- مَیں چھوٹے بھائی جان کو آج ایک درجن بُوٹ
پالش لا دوں گی۔ تاکہ آئندہ اگر کبھی جاوید طبع
آزمائی کرنا چاہے تو کافی مقدار میسّر آسکے"۔
چنبیلی :- "آپ شاید ایک چاکولیٹ کا ڈبّہ آج باہر برآمدے
میں بھول آئی ہیں"؟
زاہدہ :- "ہاں! وہ مَیں اپنے لئے آج ہی بازار سے
لائی ہوں"۔
چنبیلی :- "جاوید میاں مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ایک
تندرُست آدمی کو خُودکشی کے لئے کِتنی مقدار
میں چاکولیٹ کھانے کی ضرورت ہے"۔
زاہدہ (گھبرا کر) "اوہ! چنبیلی! جلدی جاؤ، اُس ڈبّے کو
مقفّل کر دو، ورنہ وہ بیل کی طرح سارے کا سارا
چر جائے گا"۔
(نجمہ ہنستی ہے)
نجمہ :- "بڑے مزے کا آدمی ہے، اُسے بُلا ہی کیوں نہ

لیا جائے؟ خودکشی کی نوبت ہی نہیں آئے گی"۔
زاہدہ۔"میں تو اُسے دیکھنے کی بھی روا دار نہیں۔کون اپنا دماغ خراب کرے۔اُسے سوائے محبّت محبّت کی رٹ کے کسی اَور بات کا سلیقہ بھی تو نہیں ہَے اَور پھر بیٹھے گا تو شام تک بیٹھا رہے گا۔ نہ اپنے وقت کا خیال نہ میرے وقت کا..... اَور ہاں! مَیں نے جو تم سے کہا تھا کہ جب بھی جاوید آئے، اُس سے کہ دو کہ مس صاحبہ موجود نہیں ہیں"۔
چنبیلی۔"مَیں نے کہا تو تھا"۔
زاہدہ۔"تو پھر"؟
چنبیلی۔"اُنھوں نے کہا۔تم آواگون کی قائل ہو؟
نجمہ (ہنس کر) "ارے!"
چنبیلی۔"مَیں نے کہا۔نہیں۔اُنھوں نے کہا۔خیر تمہارا اعتقاد جو ہے سو ہو۔لیکن مَیں آواگون کا قائل ہُوں۔ اَور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے تمہیں بتاتا ہوں کہ مَیں پہلے جنم میں شکاری کُتّا تھا"۔
(نجمہ ہنستے ہنستے لوٹ ہو جاتی ہَے)
زاہدہ۔"اب تم ہی بتاؤ، ہَے نہ دیوانہ؟ (چنبیلی سے) اس سے کہ دیا ہوتا کہ اِس جنم میں بھی جناب نے کوئی خاص ترقّی نہیں کی"۔
نجمہ (ہنستی ہوئی) "اری زاہدہ! اُسے ذرا بُلا تو سہی۔

یہ تو کوئی بڑا دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔

چنبیلی۔" سرکار! مجھے بات تو پوری کرنے دیجئے۔ ہاں تو میں نے کہا۔ اس سے آپ کا مطلب"؟ انہوں نے کہا۔ مجھے زاہدہ کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ ضرور ڈرائنگ روم میں موجود ہے"۔

زاہدہ (جھرجھری لے کر)" اُف خدا کی پناہ!"

نجمہ (پھریری لے کر)" شاباش! شاباش!!"

چنبیلی۔" اور پھر چاکولیٹ کے ڈبّے سے دو چاکولیٹ اٹھا کر مجھے دئے اور کہا۔ اچھّی چنبیلی! جاؤ"۔ مجھے قسمت آزمائی تو کرنے دو۔ میں مجبور ہو گئی"۔

زاہدہ۔" ارے میرے چاکولیٹ۔ اب تو مارکیٹ میں ویسے چاکولیٹ مل ہی نہیں سکتے"۔

چنبیلی۔" اور سرکار! کچھ چاکولیٹ انہوں نے اپنے لئے بھی اٹھا لئے"۔

زاہدہ۔" اری بُلا لا اُس کم بخت کو، ورنہ ڈبّہ خالی ہو جائے گا"۔

(چنبیلی باہر جاتی ہے)

نجمہ۔" بھئی! سچ پوچھو تو ایسے شخص کو ٹھکرانا سخت غلطی ہے"۔

زاہدہ۔" تمہیں پسند آئے تو مبارک۔ تمہیں تو کُتّوں کا شوق بھی ہے"۔

(جاوید داخل ہوتا ہے)

جاوید۔ "آداب عرض ہے"

زاہدہ (منہ بنا کر) فرمائیے کیا ارشاد ہے؟"

نجمہ۔ "آئیے آئیے تشریف لائیے۔ بھئی زاہدہ! تعارف تو کرا دیا ہوتا"

زاہدہ (اُسی طرح منہ بنائے ہوئے) یہ ہیں میری سہیلی مس نجمہ اور آپ مسٹر جاوید"

(دونوں مصافحہ کرتے ہیں)

جاوید۔ "بڑی مسرّت ہوئی آپ سے مل کر"

نجمہ۔ "بڑی عنایت ہے آپ کی"

(جاوید قریب ایک کرسی پر بیٹھ کر جیب سے چاکولیٹ نکالتا ہے۔ زاہدہ ہونٹ چبا کر رہ جاتی ہے)

جاوید (نجمہ کی طرف چاکولیٹ بڑھاتے ہوئے) "شوق فرمائیں گی"؟

(نجمہ مسکرا کر ایک چاکولیٹ اٹھا لیتی ہے)

نجمہ۔ "شکریہ!"

جاوید (زاہدہ کی طرف چاکولیٹ بڑھاتے ہوئے) "اور آپ؟"

زاہدہ (جل کر) "آپ نے یہ چاکولیٹ کس کی اجازت سے اُٹھائے"؟

جاوید (مُسکرا کر) "جی چاہا، اُٹھا لئے"

زاہدہ (بپھر کر) "یہ میرے ہیں"

جاوید "جب آپ خود میری ہیں تو یہاں میرے تیرے کا سوال ہی کیا؟"

زاہدہ (اور جل کر) بس زیادہ بکواس نہ کیجئے۔ آپ میری سہیلی کے سامنے میری بے عزّتی کر رہے ہیں"

جاوید (نجمہ سے) شاید آپ کو معلوم نہیں کہ عنقریب زاہدہ سے میری شادی ہونے والی ہے"

نجمہ (ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر) "اری تم نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں میسنی بلّی!"

زاہدہ "میری جوتی کرتی ہے اس سے شادی۔ اس حیوان کے سوا مجھے کوئی ملتا جو نہیں"

جاوید "دیکھئے جناب! میں پرانی قسم کے شوہروں میں سے ہوں۔ میں بیوی کی زبان درازی برداشت نہیں کر سکتا"

زاہدہ "مسٹر جاوید! خیریت اسی میں کہ یہاں سے ابھی تشریف لے جایئے۔ ورنہ میں ملازموں کو بلاتی ہوں"

جاوید (مسکرا کر) اگر آپ نے کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کی تو میں آپ کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر آپ کو کرسی سے باندھ دوں گا"

(زاہدہ غیظ و غضب میں آ کر اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)

زاہدہ "مجھے ہاتھ لگا کر تو دیکھو"

جاوید (کھڑے ہوتے ہوئے) "یہ بات ہے"؟

(نجمہ بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے)

نجمہ :- "جاوید صاحب! آپ بیٹھ جائیے ..... اور تم بھی"

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں) "زاہدہ! تم بگڑتی کیوں ہو؟ محبّت کرنا کوئی جرم تو نہیں"۔

جاوید (نرم پڑتے ہوئے) "آہ مس نجمہ! آپ نہیں جانتیں، مجھے اِن سے کس قدر محبّت ہے - اِن کے سوا مَیں نے آج تک کسی سے محبّت نہیں کی"۔

نجمہ :- "زاہدہ کم بخت! کیا تمہارے سینے میں دل نہیں ہے؟"

زاہدہ :- "مجھے اس کی محبّت کی پروا نہیں"۔

جاوید :- "مس نجمہ! مَیں نے درجنوں لڑکیوں سے کہا ہوگا کہ تمہارے سوا آج تک کسی سے محبّت نہیں کی۔ لیکن واہ ری قِسمت ہمیشہ ٹیڑھا ہی جواب ملا"۔

(آہ بھرتا ہے)

نجمہ (ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر) "چپ رہ مسخرے"۔

زاہدہ (طعن سے) "بس ہو گئی تسلّی"؟

نجمہ :- "اری بے وقوف! تجھ کو بنا رہے ہیں۔ اتنا بھی نہیں سمجھتی"۔

زاہدہ :- "اچھّا جاوید صاحب! اب تشریف لے جائیے۔ ہمیں کہیں چائے پر جانا ہے"۔

جاوید۔ "دیکھئے مس صاحبہ! جب تک یہ وعدہ نہ ہوگا کہ آئندہ جب بھی میں آؤں، آپ ملاقات میں پس وپیش نہیں کریں گی۔ میں یہاں سے جانے کا نہیں۔ میں تو آج ستیہ گرہ کرنے آیا ہوں"۔

نجمہ۔ "ہاں ہاں! ملاقات کیوں نہ ہوگی"۔

جاوید۔ "معاف کیجئے گا، میں زاہدہ سے وعدہ چاہتا ہوں"۔

زاہدہ۔ "میری جوتی کرتی ہے وعدہ"۔

جاوید۔ "تو بس میں یہاں بیٹھا ہوں، چاہے ایک سال ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے"۔

نجمہ۔ "اری! وعدہ کیوں نہیں کر لیتی، دیر ہو رہی ہے"۔

زاہدہ۔ "ان کو یہیں بیٹھا رہنے دو۔ ہم چلتے ہیں"۔

جاوید۔ "میری موجودگی میں آپ دروازے سے قدم باہر نہیں نکال سکتیں"۔

زاہدہ۔ "کیا آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

جاوید۔ "ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں"۔

نجمہ۔ "زاہدہ! وعدہ کر بھی لو، دیر ہو رہی ہے"۔

زاہدہ (دق ہو کر) "اچھا میں وعدہ کرتی ہوں۔ اب آپ تشریف لے جائیے"۔

جاوید (مسکرا کر) "شکریہ! شکریہ!! خدا حافظ"

نجمہ۔ "خدا حافظ"

(جاوید باہر چلا جاتا ہے)

زاہدہ۔ "بدذات سمجھتا ہوگا کہ مَیں اپنے وعدے پر قائم رہوں گی"

نجمہ۔ "تو کیا تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہو گی"؟

زاہدہ۔ "نہیں"

نجمہ۔ "کیوں؟"

زاہدہ۔ "مَیں اِس منحوس کی صُورت سے جلتی ہوں"

نجمہ۔ "اتنا سجیلا جوان ہے اور تم اس کی صُورت سے جلتی ہو"؟

زاہدہ۔ "صورت کو کوئی کیا کرے۔ سیرت بھی تو ہو"

نجمہ۔ "اس کی سیرت بھی تو بُری نہیں"

زاہدہ۔ "اِس سے زیادہ اور بُری سیرت کیا ہو، جس سے محبّت کا دعویٰ، اُسی سے ایسا سلوک، جیسے اُس کے باپ کی لونڈی ہے"

نجمہ۔ "اچھّا تو تم چاہتی ہو کہ تمہارا شیدائی جب آئے تمہیں سات سلام کرے اور پھر بھیگی بلّی کی طرح تمہارے قدموں میں آ بیٹھے"

زاہدہ۔ "خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہی ہو۔ اب اُٹھ بیٹھو، دیر ہو رہی ہے"

نجمہ :۔ "اچھا چلو، پھر کبھی اس معاملے پر بحث کرونگی"+
(دونوں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں - پردہ گرتا ہے)

منظرِ دوم

نجمہ کا ڈرائنگ رُوم - نجمہ تنہا ایک صوفے پر بیٹھی بے چینی سے کِسی کا انتظار کر رہی ہے
وقت سہ پہر +

(سوسن اندر آتی ہے)

سوسن :۔ "کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں - جاوید نام ہے اُن کا"+

نجمہ :۔ "ہاں ہاں! مَیں اُن کا اِنتظار کر رہی ہُوں - جلدی بھیج دو اندر!"

(سوسن جاتی ہے - کچھ وقفے کے بعد جاوید داخل ہے) +

جاوید :۔ "آداب عرض ہے مس نجمہ!"

نجمہ :۔ "آداب عرض! آئیے (ایک کرسی کی طرف اِشارہ کرکے) تشریف رکھئے - آپ کو میرا رُقعہ مِل گیا ہوگا"+

جاوید :۔ "کہیئے کوئی بُری خبر تو نہیں"؟

نجمہ :۔ "اجی! ذرا دم تو لیجئے، سب کچھ بتائے دیتی ہوں - آپ حیران تو ہوں گے کہ مَیں نے آپ کا

پتہ کس طرح دریافت کیا"؟

جاوید:۔ "زاہدہ سے پوچھا ہوگا"۔

نجمہ:۔ "ہاں! لیکن اِس ڈھب سے کہ بے چاری کو خبر بھی نہیں ہوئی"۔

جاوید:۔ "لیکن یہ راز داری کیوں"؟

نجمہ:۔ "میں ایک تجربہ کرنا چاہتی ہوں"۔

جاوید:۔ "کیسا تجربہ؟

نجمہ:۔ "آپ کو زاہدہ سے محبّت ہے نا؟"

جاوید:۔ "ہے تو سہی"۔

نجمہ (مسکرا کر) "تو پھر میں آپ کی امداد کرنا چاہتی ہوں۔ میں اُسے راضی کرنے کا ایک گُر جانتی ہوں"۔

جاوید:۔ "وہ کیا ہے؟"

نجمہ:۔ "جلاپا"۔

جاوید:۔ "جلاپا؟"

نجمہ:۔ "اُس کی طبیعت میں جلاپا بہُت ہے"۔

جاوید:۔ "تو پھر؟"

نجمہ:۔ "دیکھئے! آج میرا زاہدہ سے سینما کا وعدہ ہے۔ وہ ابھی آیا ہی چاہتی ہے۔ اگر اس کے سامنے ہم دونوں ایک دُوسرے سے محبّت ظاہر کریں۔ تو اس کا فطری جلاپا اُسے آپ کے قدموں پر گرا دے گا"۔

جاوید (نجمہ کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر مُسکراتے ہوئے)
"...... آپ سے محبّت .... ہوں ......
خیال تو بُرا نہیں ہے"۔
نجمہ (مسکرا کر) "اجی! رہنے دیجئے اِس تمسخر کو.... مَیں
آپ کی امداد صرف اِس لئے کرنا چاہتی ہوں کہ...
آپ بڑے اچھّے آدمی ہیں اور زاہدہ کی عادات
سنوارنے کے لئے آپ جیسے ہی شوہر کی ضرورت
ہے"۔
جاوید "۔ بڑی عنایت ہے آپ کی ... لیکن آپ میری
باتوں کو تمسخر کیوں سمجھتی ہیں۔ یہ آہُو کی سی موٹی
موٹی آنکھیں، یہ خنجر کے سے نوک دار ابرُو،
یہ سوسن کا سا دہن، یہ چنبیلی کا سا رنگ .....
آپ سے محبّت کرنے کو کِس کا دل نہ چاہے گا؟"
نجمہ (ہنس کر) "ارے توبہ! آپ تو....."
(سوسن داخل ہوتی ہے)
سوسن "۔ مس صاحبہ! مس زاہدہ تشریف لائی ہیں"۔
جاوید "۔ کہ دو مس نجمہ مصروف ہیں۔ مسٹر جاوید اُن
کے پاس بیٹھے ہیں"۔
نجمہ "۔ ارے نہیں.... سوسن"!
جاوید (نجمہ کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے) "ذرا ٹھہریے
تو (پھر سوسن کو ڈانٹ کر) "سُنا نہیں، میں نے

کیا کہا ہے"؟

(سوسن باہر چلی جاتی ہے)

نجمہ :۔ "آپ نے ستم کر دیا۔ اب زاہدہ مجھ سے کبھی نہ بولے گی"۔

جاوید :۔ "دیکھئے! اس وقت جو میں کہوں، آپ کو کرنا ہوگا۔ ورنہ..... ورنہ میں زاہدہ کے سامنے چٹ سے آپ کا مُنہ چُوم لُوں گا"۔

نجمہ :۔ "ارے خدا کے لئے نہیں.... اُف!"

(زاہدہ آگ بگولا ہو کر اندر داخل ہوتی ہے)

زاہدہ :۔ "یہ کیا بے ہُودہ حرکت ہے"؟

جاوید :۔ "آپ کس کی اجازت سے اندر آئی ہیں؟"

زاہدہ (تیز ہو کر) "آپ کون ہوتے ہیں مجھے ٹوکنے والے۔ میں نجمہ کے پاس آئی ہوں"۔

جاوید :۔ "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ نجمہ میری ہیں۔ ہمیں ابھی ابھی احساس ہوُا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہیں.... کیوں نجمہ!"

(نجمہ خاموش رہتی ہے۔ اُس کے منہ پر ہوائیاں چھُوٹ رہی ہیں۔ جاوید اپنے ہونٹوں کو بوسے کی شکل دے کر اُسے ڈراتا ہے)۔

جاوید :۔ "آپ شرماتی کیوں ہیں؟ کیا آپ کو مجھ سے محبّت نہیں ہے؟"

نجمہ (مری ہوئی آواز سے) "ہٹے!"
زاہدہ (تڑپ کر) "تمہیں جاوید سے محبّت کرنے کا کوئی حق نہیں، وہ مجھے چاہتا ہے"۔
(نجمہ خاموش ہے۔ جاوید پھر ہونٹوں کو بوسے کی شکل دے کر ڈراتا ہے)۔
نجمہ (عرق عرق ہوکر) "تم .... تم .... نے تو اُن کی محبّت کو ٹھکرا دیا تھا؟"
زاہدہ (طعن سے) "اور تم نے موقع غنیمت جانا۔ بے حیا۔ بے شرم!"
جاوید۔ "مس زاہدہ! .... نجمہ کو گالی دینے کا آپ کو کوئی حق نہیں"۔
زاہدہ۔ "تو کیا آپ بھی مجھ سے پھر گئے ہیں؟"
جاوید۔ "کیا میں نے کہا نہیں کہ مجھے نجمہ سے محبّت ہے؟"
زاہدہ (بھرّائی ہوئی آواز میں) مجھے آپ سے بے وفائی کی امید نہ تھی"۔
جاوید۔ "یہ آپ کی بے وقوفی تھی"۔
زاہدہ۔ "اگر آپ نجمہ سے محبّت کریں گے تو میں خودکشی کرلوں گی"۔
جاوید۔ "بخوشی .... چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد۔ اگر کہیں تو بوٹ پالش کی ڈبیہ منگوا دوں"۔

زاہدہ (غصّے سے زمین پر پاؤں مار کر) "وحشی ۔ خونخوار
درندہ ..... پاجی ..... رذیل ..... مَیں اب عمر
بھر تجھے مُنہ نہ لگاؤں گی — اور نجمہ تم بھی مجھے
پھر کبھی اپنی منحوس شکل نہ دکھانا"
(سسکیاں بھرتی ہوئی چلی جاتی ہے)
جاوید (نجمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکراتے ہوئے)
"آپ کا تجربہ تو توقع سے بھی زیادہ کامیاب ہوا
ہے"
نجمہ ۔ "اوہ جاوید! یہ آپ نے کیا کر دیا ۔ جائیے اب
بھی اُسے واپس بُلا لیجئے ۔ آہ! میری پیاری سہیلی
زاہدہ!"
جاوید ۔ "واپس بُلا لوں، کیوں"؟
نجمہ ۔ "آپ کو تو اُس سے محبّت ہے"
جاوید ۔ "ہے ۔ نہیں ۔ تھی"
نجمہ ۔ "وہ کیسے؟"
جاوید ۔ "کیونکہ اب تو مجھے آپ سے محبّت ہے"
نجمہ ۔ "جاوید صاحب! زیادہ مذاق اچھا نہیں ۔ پہلے
ہی آپ کے تمسخر نے بنا بنایا کھیل خراب کر دیا
ہے"
جاوید ۔ "مذاق کہ کر میری محبّت کی توہین نہ کیجئے ۔ آج
سے مَیں آپ کا ہوں ۔ کیونکہ مَیں آپ میں زاہدہ

سے زیادہ وفا کی بُو پاتا ہوں۔ شاید آپ کو معلوم
نہیں کہ مَیں پہلے جنم میں شکاری کتّا تھا؟"
(نجمہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کے اپنا سر
جاوید کے شانے پر رکھ دیتی ہے۔)
نجمہ:" اوہ پیارے جاوید! مجھے شکاری کُتّوں کا بڑا
شوق ہے۔"

(پردہ گرتا ہے)
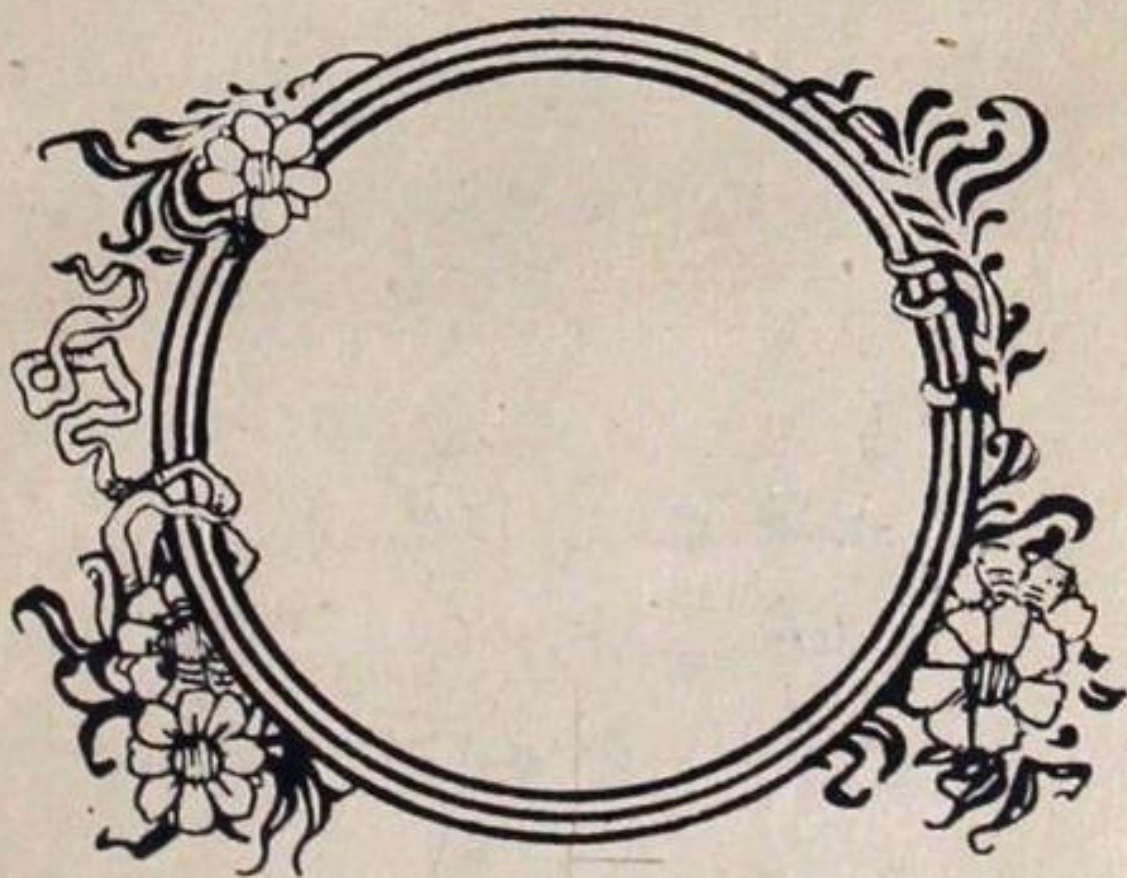
شاعر
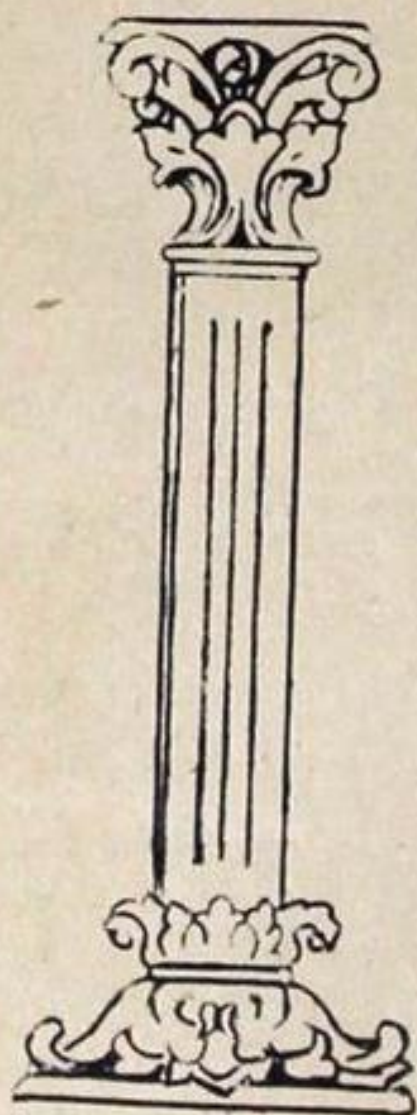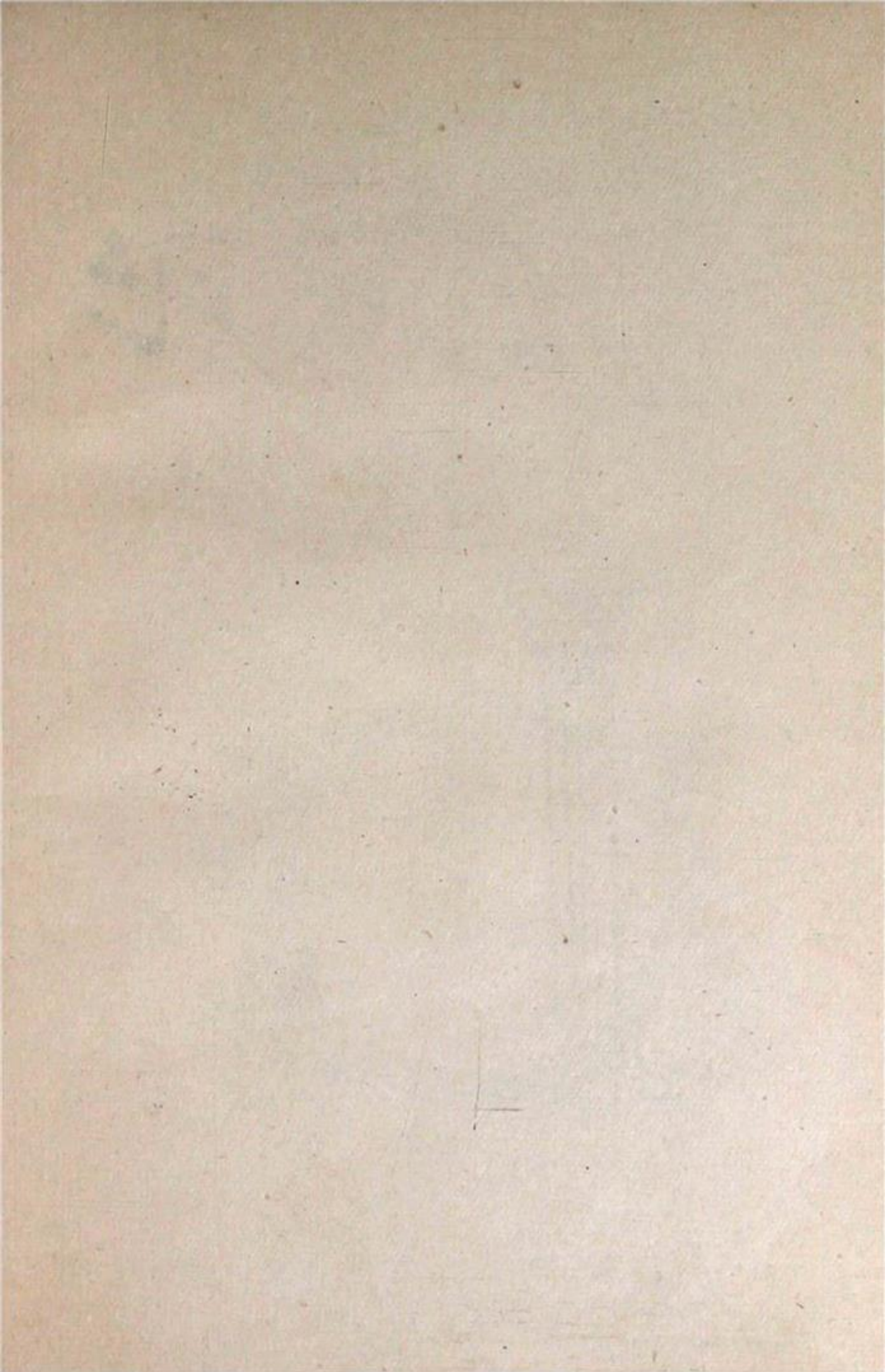
شاعر

یکایک سیسموگراف کی پنسل نے تیزی سے حرکت کی۔ آبزرور (مشاہدہ کرنے والا) کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

دس میل کے اندر کہیں زلزلہ آ رہا تھا۔
بے انتہا شدید زلزلہ۔

آبزرور پندرہ برس سے اِس مشاہدہ گاہ میں ملازم تھا۔ لیکن اُس نے آج تک پنسل اِس تیزی سے حرکت کرتی نہ دیکھی تھی۔

"قیامت ... قیامت!" وہ بے اختیار چیخ اُٹھا۔ "ہماری زمین سے کوئی ستارہ متصادم ہو گیا ہے"۔

زلزلہ واقعی آیا .... بے انتہا شدید زلزلہ ... لیکن ایک ذاتی نوعیت کا۔

بات یہ ہوئی کہ شاعر کی بیوی کو آلو چھیلتے چھیلتے خیال آیا کہ آٹا تو ہے ہی نہیں۔ بس پھر کیا تھا، اُسی طرح چھُری ہاتھ میں لئے مردانے کی طرف لپکی۔

کل شاعر کو ایک روپیہ دیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سارا روپیہ تاڑی کی نذر ہو گیا ہے۔ جب ہی تو آج صبح سے کم بخت سُرور میں ہے ... خدا غارت کرے اِس مردوئے کو ... نگوڑا مرتا بھی نہیں، جو اِس عذاب سے جان چھوٹے ... جب سے یہاں آئی ہوں، پل بھر آرام نہیں دیکھا ... اُس باپ کو کیا کہوں جس نے مجھے اِس آگ میں جھونک دیا۔ ایسے سُہاگ سے تو رنڈاپا اچھّا ہے ... کوئی ایسا بھی ناکارہ نہ ہو ... خُدا کی پناہ! ... اب ایک کوڑی بھی تو نہیں، جو آٹا آئے ... تین دن متواتر کروشیئے کا کام کیا تھا، جب جا کر کہیں ایک روپے کا مُنہ دیکھا۔

ابھی دروازے پر بھی نہیں پہنچی تھی کہ رُک گئی۔

"شاعر صاحب ... شاعر صاحب!" ڈیوڑھی سے کسی نے آواز دی۔

شاعر ایک بوسیدہ بوریئے پر بیٹھا فکرِ شعر کر رہا تھا۔ آنکھوں کی سُرخی سے معلوم ہوتا تھا کہ سُرور میں ہے۔

"شاعر صاحب ... شاعر صاحب!" دوبارہ آواز آئی۔

"کون ہے؟" شاعر نے اِنتہائی بے نیازی سے دریافت کیا۔

"مَیں ہوں کریموں"۔

کریموں محلّے میں پان سگرٹ کی دکان کرتا تھا۔

کوئی دس برس پیشتر شاعر نے اُس سے آٹھ آنے کا سودا خریدا تھا اَور یہ آٹھ آنے ابھی تک اُس کے ذمّے تھے۔ اِس خیال سے کہ کہیں تقاضا کرنے نہ آیا ہو، وہ چوکنا ہو گیا +

"آیئے .... آیئے سیٹھ صاحب!" اُس نے جھوٹی تواضع سے کہا، جو مقروض اپنے قرض خواہوں سے برتا کرتے ہیں +

"آداب عرض ہے .... یہ میرے والد صاحب ہیں"۔ پنواڑی نے ایک بُوڑھے کی طرف اِشارہ کرکے کہا، جو اُس کے پیچھے پیچھے لکڑی ٹیکتا ہؤا آ رہا تھا +

"آیئے .... بیٹھئے" +

"چچا! یہ ہیں شاعر صاحب" +

"کہاں؟" چچا نے کوئی پندرہ بیس منٹ شاعر کا معائنہ کرکے کہا۔ "یہ تو لونڈا سا ہے" +

"بڑے مشہور ہیں یہ" +

"ارے یہ کیا بیت بازی کرے گا؟" چچا نے کھانستے ہوئے کہا۔ "ہمارے محلّے میں ایک چھوٹے خاں ہوتے تھے۔ سجن تخلّص تھا اَور کنجڑے کی دکان کرتے تھے .... مگر واہ رے ظالم اِس ٹھاٹ کی بیت بازی کرتے کہ مزہ آ جاتا۔ بیسیوں تو شاگرد تھے۔ کیا نانُو حجام اَور کیا گھسیٹا نبائی، سب اُن کے آگے پانی بھرتے تھے۔ مَیں ایک

دفعہ اُن کی دکان پر موجُود تھا۔ گلابو موچن کدو خرید رہی تھی ... میری بھی جوانی تھی ... مَیں نے کہا۔ اُستاد ہو جائے نا کوئی بَیت۔ اُستاد نے ایک بیت جو کہی۔ گلابو موچن کلیجہ پکڑ کر رہ گئی۔ بیت بازی کی قدر بھی پُرانے لوگ ہی کرتے تھے۔ اُس وقت کوئی ساٹھ برس کی ہوگی وہ۔ اسّی برس میں اِنتقال کیا۔ لیکن مرتے دم تک اُستاد کی ہو کر رہی"۔

"شاعر تو یہ بھی زبردست ہیں دادا!" بنواڑی نے کہا۔ "نکٹی طوائف کو جانتے ہو نا۔ نتھّو کی شادی پر اُس نے ان کی غزل گائی تھی"۔

"ارے رہنے دے نکٹی بھی کوئی طوائف ہے۔ خچّر کی طرح ہنہنا تو وہ بھی لے گی، لیکن گانا کوئی اَور ہی چیز ہے۔ خدا مغفرت کرے اسی نکٹی کی ماں کے ہاں ہمارا آنا جانا تھا۔ یہ اُس وقت پیدا بھی نہ ہوئی تھی۔ ... واہ رے واہ! کیا بانکی آواز تھی اُس کی، اَور جب دلارے خاں طبلچی اَور اُستاد غلام محمّد ستار نواز بھی اُس کے ساتھ اپنا جوہر دکھاتے تو زندگی کا مزہ آ جاتا"۔

"چچا اب جس غرض کے لئے آئے ہو کہہ دو نا۔ سردارے کو دکان پر بٹھا کر آیا ہُوں۔ وُہ بچّہ ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے"۔

"ہاں! کل میرے پوتے کی ختنہ ہے۔ ایک سہرا

لکھ دو۔ یہ پانچ روپے تمہاری نذر ہیں" چچا نے شاعر سے کہا۔

"سہرا" شاعر نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

وہ جدید اسکول کا شاعر تھا۔ شاعری اُس کے لئے الہام تھی۔ یہ انسانی دماغ کی ایک سعی تھی۔ رازِ درون پردہ تک پہنچنے کی۔ فطرت کے اس عطیے کو سہرے اور قصیدے لکھ کر ناجائز استعمال کرنا اُس کے نزدیک گناہِ کبیرہ تھا۔ اگر اُس نے کریموں کے آٹھ آنے نہ دینے ہوتے تو اس گستاخی پر دونوں کو اُسی وقت گھر سے نکال دیتا۔

"ہاں سہرا" چچا نے کہا۔ "اگر اُستاد چھوٹے خاں سجن زندہ ہوتے تو اب تک کئی سہرے میرے ہاں پہنچ جاتے لیکن اب تو ویسے زندہ دل کہیں نظر ہی نہیں آتے۔"

"معاف کیجیے۔ میں نے کبھی کسی کا سہرا نہیں لکھا۔"

"کریموں!...... تم تو کہتے تھے، یہ بڑا زبردست شاعر ہے۔ یہ تو سہرا بھی نہیں لکھ سکتا۔"

"بڑے میاں! لکھ سکنے کا سوال نہیں" شاعر نے قرض کی پروا نہ کرتے ہوئے جھنجھلا کر کہا۔ "سوال یہ ہے کہ کیا سہرے لکھنا شاعر کے شایانِ شان بھی ہے یا نہیں۔"

"شاعری کا اَور مقصد ہی کیا ہے؟ معشوق کی تعریف کر دی۔ دشمن کی ہجو لکھ دی۔ کسی کی شادی پر دو ایک بیت بول دئے۔ کسی بڑے آدمی کی آمد پر قصیدہ پڑھ دیا اَور یار لوگوں میں دل لگی رہی۔ آج کل کے لونڈوں کا تو دماغ ہی خراب ہے"۔

"بڑے میاں! شاعر شاعر ہے، میراسی نہیں"۔ شاعر نے جوش میں آکر کہا۔ "سہرے اَور قصیدے میراسیوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ شاعری ارتقائے ذہنی کا وسیلہ ہے۔ یہ جذباتِ لطیف کی نشو و نما کرتی ہے۔ مَیں اس آسمانی شئے کو قصیدے لکھ کر ملوث نہیں کرونگا"۔

"کیا تمہارے خیال میں جو قصیدے لکھتا ہے، وہ میراسی ہے شاعر نہیں"۔

"جی ہاں!"

"کچھ معلوم بھی ہے تمہیں، بڑے بڑے اُستاد قصیدہ گوئی کرتے تھے"۔

ذلیل لوگ پیٹ بھرنے کے لئے کیا کیا نہیں کرتے اگر کوئی خُودِ دار ہوتا تو ڈوب مرتا"۔

"اَور تم بڑے خُودِ دار ہو"۔

"آخر اس بحث سے فائدہ ہی کیا ہے۔ مَیں نے کہ دیا ہے۔ مَیں سہرا نہیں لکھوں گا"۔

"کرمیوں!... یہ تو سڑی معلوم ہوتا ہے"۔ چچا نے

حقارت سے شاعر کی طرف دیکھ کر کہا ۔" تمہیں کہا بھی تھا کہ رمضان والے مکان کی رجسٹری کے کاغذوں میں اُستاد چھوٹے خاں کا لکھا ہُوا کوئی نہ کوئی سہرا ضرور پڑا ہو گا اور اُسی میں نام وغیرہ تبدیل ہو جائے گا ۔ مجھے فیضو کے ہاں جانا تھا ۔ اُس نے ابھی کل ہی ایک نیا بٹیر خریدا ہے ۔ یہاں لا کر تم نے میرا بھی وقت ضائع کیا ۔"

"چچا ! اِن کی خُود داری تو یہ ہے کہ دس برس ہوئے ، میرے آٹھ آنے ادا نہیں کر سکے ۔"

"تم بھی بالکل بُدّھو ہو ۔ آج کل کے زمانے میں شرافت سے کہیں کام چلتا ہے ۔ احمدو نے میرا ایک آنہ دینا تھا ۔ کئی دن ہو گئے کمبخت ہاتھ ہی نہ آیا ۔ آخر ایک روز جو مل گیا ۔ مَیں نے بھرے بازار میں ٹوپی اُتار لی ۔ شام کو پورا ایک آنہ میرے ہاں آ کر دے گیا ۔"

"مَیں نے شریف آدمی سمجھ کر کبھی سختی سے تقاضا ہی نہیں کیا ۔ ورنہ مَیں وصُولی کے اَور بھی ڈھنگ جانتا ہوں ۔"

"آپ اپنے آٹھ آنے بنک میں خیال کیجئے ۔ مَیں ایک دو روز میں خُود دکان پر پہنچا آؤں گا ۔"

"خیر اب دیکھا جائے گا ۔" پنواڑی نے جاتے ہوئے کہا ۔

بس اُدھر اِن دونوں نے دروازے سے باہر قدم رکھا اور اِدھر زلزلہ آگیا۔

شاعر کی بیوی بگولے کی طرح اندر داخل ہوئی۔ اور برق کی طرح ٹوٹ پڑی۔

"تمہیں سانپ ڈسے.... تمہارا گوشت چیل کوّے کھائیں.... کُتّے کی موت مرو.... جس طرح میری زندگی خراب کی ہے، تمہیں بھی کبھی چین نہ آئے........"

پہلے شاعر بے چارے پر چھری پھینکی گئی۔ اس کے بعد اُگال دان، اس کے بعد گلاس، اس کے بعد ایک خالی بوتل، اس کے بعد تکیہ، اُس کے بعد لحاف، اس کے بعد چادر، اس کے بعد چارپائی، اس کے بعد ایک کتاب، اُس کے بعد دوات، اس کے بعد ایک بوسیدہ سی میز اس کے بعد ایک ٹوٹی ہوئی کُرسی، اس کے بعد ایک ٹین کی صندوقچی، اس کے بعد ملر کا تالا، اس کے بعد سائیکل کا ایک پُرانا ٹائر، اس کے بعد اپنا جُوتا، اس کے بعد اپنا دوپٹہ اور اس کے بعد ایک چیخ مار کر اپنے آپ کو شاعر پر لے جا پھینکا۔

اور اِس طرح یہ زلزلہ ترتیبِ اشیاء اور اطمینانِ شاعر کو درہم برہم کرکے آخر کار دھیما پڑ گیا۔

شاعر حواس باختہ بوریئے پر بیٹھا تھا۔ اُس کی کنپٹی سے خون جاری تھا۔ آنکھوں سے خوف اور پریشانی

ٹپک رہی تھی۔ شاعر کی بیوی زمین پر بڑی زور زور سے سسکیاں بھر رہی تھی۔

عورت چاہے کتنی ہی زیادتی کیوں نہ کرے۔ لیکن جب وہ سسکیاں بھرنے کی اسٹیج پر آ جائے تو مرد فطرتاً اُسے دلاسا دے گا۔ چنانچہ شاعر پھینکی ہوئی چیزوں کے انبار کو ہٹا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اُٹھو پیاری!" اُس نے اُس پر جُھک کر محبّت سے کہا۔

"ہٹو، دُور رہو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ"۔

وُہ اَور زور سے سسکیاں بھرنے لگی۔

"آخر بات کیا ہے؟"

شاعر بے چارے کو ابھی تک زلزلے کی وجہ معلوم نہ ہوئی تھی۔

"بس مَیں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی"۔

وہ تڑپ کر اُٹھی اَور دوڑ کر اپنا بُرقع اُٹھا لائی۔

"ہے ہے بیوی! کیا ستم کرتی ہو، خدا کے لئے جانے بھی دو"۔

شاعر نے اُس کا بُرقع پکڑ لیا۔

"اب تو مَیں اپنے باپ کی نہیں، کسی پرائے کی ہُوں گی جو یہاں رہوں گی"۔

"آخر اِس ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟"

"کل میں نے آٹا لانے کے لئے روپیہ دیا تھا۔ لائے ہو آٹا؟"

"اوہو! وہ تو مَیں تاڑی خرید لایا تھا"۔

"تو بس بیٹھ کر تاڑی پیو، میں جاتی ہوں"۔

"بیوی! ایک روپے کی تاڑی کے فیض سے وہ غزل ہوئی ہے کہ دولتِ ہفت اقلیم ہیچ ہے اُس کے آگے"۔

"بس اب اُس غزل سے ہی پیٹ بھرنا"۔

"بیوی! تمہاری ذہنیت بے انتہا پست ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانا چاہیئے اور تم کھانے کے لئے زندہ رہتی ہو"۔

"اگر تم اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ضرور زندہ رہنے کے لئے کھانا ملے گا"۔

"کیا مَیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتا ہُوں؟ مَیں جس کی شاعری ارتقائے ذہنی کی اجارہ دار ہے؟"

"آگ لگے ایسی شاعری کو۔ اور ایسی ارتقائے ذہنی کی اجارہ داری کو، جس کے لئے بھُوکوں مرنا پڑے"۔

"بیوی! دُنیا نا قدر شناس ہے۔ ورنہ مَیں موتیوں میں تولا جاتا"۔

"بس اِسی شیخی نے تو تمہیں برباد کیا ہے۔ آج تھوڑے سے کام کے لئے پانچ روپے مل رہے تھے۔ اُور لاٹ صاحب نے واپس کر دیئے کہ میری شان میں فرق آتا ہے"۔

"تو کیا تم چاہتی ہو کہ میں قصیدہ گوئی کی حد تک اپنے آپ کو گرا دُوں"۔

"شاعری آخر کِس مرض کی دوا ہے۔ قصیدہ گو بھی تو شاعر ہی ہوتے ہیں"۔

"لیکن پیاری! اُن کی نظر زمین پر ہے اُور میری آسمان پر"۔

"بس آسمان کی طرف ہی دیکھتے رہو۔ اگر فاقوں سے مر گئے تو جلدی وہاں پہنچ بھی جاؤ گے"۔

"میری شاعری نے مجھے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ مَیں مر نہیں سکتا"۔

"تمہیں اتنے بڑے بڑے دعوے باندھتے شرم بھی نہیں آتی۔ بس ایک بے پَر کی اُڑا دی اُور زندگیٔ جاوید کا پروانہ حاصل کر لیا۔ کیا سَستا سُودا ہے۔ منہ دھو رکھّو، دُنیا کِسی دیوانے کے لئے خُود دیوانی نہیں ہوتی۔ تمہاری شمع اس کے لئے کڑوے تیل کا دِیا ہی رہے گی۔ جس کی سڑاند سے دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ تمہارے پروانے برساتی کیڑے

ہی رہیں گے، جو گرمیوں کی شام کو کھانے میں پڑ جاتے ہیں۔ تمہاری برسات کیچڑ اور پانی ہی نظر آئیگی اور تمہارے سبزۂ روئیدہ کو گدھوں کے لوٹنے کی جگہ ہی کہا جائے گا۔"

"بیوی! تم قیامت تک میری شاعری کا مرتبہ نہ سمجھ سکو گی۔"

"اچھا تم اپنا مرتبہ بیٹھے چاٹا کرو، میں میکے جاتی ہوں۔"

"شاعر صاحب!..... شاعر صاحب!" کسی نے باہر سے آواز دی۔

"کوئی ملنے آیا ہے۔" شاعر نے کہا۔ "اب خدا کے لئے اس ہٹ کو چھوڑو اور اندر جا کر بیٹھو۔ کیوں دُنیا کے سامنے میری ناک کٹواتی ہو۔"

"شاعر صاحب! شاعر صاحب!" پھر کسی نے آواز دی۔

"کوئی آیا ہوگا تاڑی پینے۔" شاعر کی بیوی نے تیوری چڑھا کر کہا اور پھر خود بخود اندر لوٹ گئی۔

"کون ہے؟" شاعر نے دریافت کیا۔

"میں ہوں ننھو۔"

"آ جاؤ۔"

ننھو ایک زمیندار کا مزارع تھا۔

"آداب عرض شاعر صاحب!"
"کہو کس طرح آئے نتھو میاں!"
"آپ سے ایک کام تھا"
"کیا؟"
"کل پٹواری صاحب زمین کی حد بندی کے لئے آ رہے ہیں۔ ہمارا مُدّت سے سُلطانے کے ساتھ زمین کا تنازعہ چلا آتا ہے۔ اگر پٹواری صاحب کسی طرح خوش ہو گئے تو ہمارے حق میں فیصلہ ہو جائے گا"
"تو پھر کیا چاہتے ہو؟"
"کچھ بیت لکھ دیجئے اُن کی تعریف میں"
"چار آنے فی شعر اُجرت لوُں گا"
"توبہ توبہ" نتھو نے کان کو ہاتھ لگا کر کہا۔ "میں غریب آدمی ہوُں۔ اتنی اُجرت کہاں سے دُوں"
"اچھا تو دو آنے فی شعر دے دینا"
"رُلدو کے لونڈے کو آپ شاید جانتے ہونگے۔ وہ یُوسف زلیخا بڑے مزے سے پڑھتا ہے۔ سب زبانی یاد ہے کم بخت کو۔ اُسے کہتا تو دو آنے میں بیسیوں بیت لکھ دیتا۔ لیکن آپ ذرا دو کتابیں زیادہ پڑھے ہوئے ہیں۔ اِس لئے آپ ہی سے عرض کرنا مناسب سمجھا"
"پھر کیا اُجرت دینا چاہیئے؟"

"ایک پیسہ فی بیت لے لیجیے۔"

"اچھا جو تمہاری مرضی۔" شاعر نے آہِ سرد بھر کر کہا "اور ہاں اُجرت مجھے اِسی وقت ملنی چاہیے۔"

"یہ بات غلط ہے شاعر صاحب! مَیں اُجرت ابھی نہیں دے سکتا۔ غریب آدمی ہوں۔ دو ماہ تک فصل کاٹوں گا تو ادا کر دُوں گا۔ لیکن خیال رہے کہ پٹواری صاحب بڑے آدمی ہیں۔ آخر افسر ٹھہرے۔ بیت اُن کی شان کے مطابق ہوں۔"

قاضی

قاضی

بادلوں کا دیوتا اپنی پُر ہیبت رتھ پر سوار کائنات کی طرف لپکا ٭

کڑڑڑڑ...... کڑڑ ڑڑ......

رتھ کے آگے جُتتے ہوئے اژدروں پر اُس کا آتشیں کوڑا پڑا - آسمان پر سُرخ سُرخ شرارے اُڑنے لگے - جیسے کوئی ہوائی چھوٹی - فطرت نے ڈر کر رُوئے زمین پر تاریکی کی سیاہ چادر ڈال دی ٭

"عدالت کے سب دریچے بند کر دو" دیوتائے انصاف نے آستین سے ناک صاف کرتے ہوئے کہا ٭

"آپ کو شاید زکام کی شکایت ہو گئی ہے ؟" اہلکار نے دریافت کیا ٭

"ہاں ! آج ہوا ذرا زیادہ سرد ہے ...... کوئی اور مُلزم ؟"

"ہاں سرکار !"

طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے قاضی کو پیش

کیا گیا۔

"یہ کون ہے؟"

"اِسے دنیا میں قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا۔"

"اِس کا جُرم؟"

"اِس نے اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کیا۔"

"آ پنچھیں..... آپنچھیں..... آپنچھیں....."

دیوتائے انصاف کو مسلسل چھینکیں آنے لگیں۔

"میرا زکام زیادہ ہو رہا ہے۔ آج مَیں عدالت نہیں کرُوں گا۔"

"کیا مُلزم کو واپس حوالات میں بھیج دیا جائے؟"

"ذرا ٹھہرو۔ مُلزم قاضی تھا؟"

"ہاں سرکار!"

"اَور اِس نے اپنے اختیارات کا بے جا اِستعمال کیا۔"

"ہاں سرکار!"

"اچھا مَیں اِسے اپنے اِختیارات کے بجا استعمال کا آخری موقع دیتا ہوں۔"

"وہ کِس طرح؟" ملازمانِ عدالت نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"یہ کرسیِ عدالت پر بیٹھ کر اپنی سزا و جزا کا

خود فیصلہ کرے گا"۔

دیوتائے اِنصاف اُٹھ کر خواب گاہ میں چلا گیا۔ قاضی کی زنجیریں کھول دی گئیں اور وہ مسکراتا ہُوا کُرسیِ عدالت پر جا بیٹھا۔

"اگر ارشاد ہو تو عدالت کی کارروائی شروع کی جائے؟" اہلکارِ عدالت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور"۔

پہلے اُس نے ایک آنکھ مِیچ کر لیڈی ٹائپسٹ کی طرف دیکھا اور پھر سٹیٹ ایکسپریس کا سگریٹ سُلگا کر دھوئیں سے دائرے بنانے لگا۔

خواب گاہ سے خرّاٹوں کی آواز آنے لگی۔ دیوتائے اِنصاف سو رہا تھا۔

"مستغیث کون ہے؟" قاضی نے دریافت کیا۔

"مَیں" بائیں کاندھے کے فرشتے نے کہا۔

"اور صفائی کا گواہ؟"

"مَیں" دائیں کاندھے کے فرشتے نے کہا۔

"تمہارا کیا بیان ہے؟" اُس نے مستغیث سے دریافت کیا۔

"سرکار! مُلزم کو دُنیا میں اِنصاف کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اُس نے بے گناہوں کو سزا دی۔ اُن کی عورتوں کی عصمت دری کی اور اُن سے رشوت

وصُول کی۔ اُس نے ہمیشہ بد لوگوں کو اپنا رفیق بنایا۔ اَور نیکی کے مقابلے میں بدی کی طرف جُھکا رہا؟

"تمہارے پاس اِس کا کوئی جواب ہے؟" قاضی نے صفائی کے گواہ سے دریافت کیا؟

"اِس معاملہ میں ملزم موردِ الزام نہیں ہے۔ دُنیا کے قوانین ہی غلط ہیں۔ جہاں صرف کاغذی کارروائی سے ہی غرض ہو، وہاں معاملے کی تہ کو پہنچنے کی سعی کیوں کی جائے؟"

"لیکن دُنیا کا کوئی قانون رشوت کو جائز قرار نہیں دیتا؟"

"ہاں! براہِ راست بالکل نہیں۔ لیکن ملازموں کے قلیل مشاہرے خُود رشوت ستانی کی تحریک ہیں؟"

"اَور یہ عورتوں کی عصمت دری کا کیا معاملہ ہے؟" قاضی نے دوبارہ ایک آنکھ میچ کر لیڈی ٹائپسٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا؟

"اِس جُرم کا امر زیر بحث سے کوئی واسطہ نہیں؟ عدالت نے تو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مُلزم نے قاضی کی حیثیت سے اپنے اختیارات کا بجا اِستعمال کیا یا بے جا۔ صفائی کے فرشتے نے کہا؟

"آسمانی عدالت کے اختیارات وسیع ہیں۔ اِسے صرف کاغذی کارروائی پر ہی عمل نہیں کرنا چاہیئے؟"

مستغیث نے جواب دیا۔

"عدالت نکتہ چینی برداشت نہیں کر سکتی"۔

ملازمانِ عدالت نے حوصلہ ہار دیا۔ آج اوّل مرتبہ آسمانی عدالت میں نا انصافی ہونے والی تھی۔

"مقدمہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا" قاضی نے پھر کہا۔

اِس وقت عدالت میں صرف مستغیث کے حواس بجا تھے۔ اُس نے استغاثہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے دماغ پر اِنتہائی زور ڈالا۔

"کیا عدالت اُن لوگوں کی آہوں کی پروا نہیں کرے گی، جن کی زندگی ملزم نے برباد کی" اُس نے کہا۔

"دُنیا میں آہیں بھرنے کی عادت وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ عدالت کو اِس کی پروا نہیں"۔

مستغیث نے دماغ پر اَور زیادہ زور ڈالا۔

"کیا عدالت ایسے شخص کی بیخ کنی نہ کرے گی، جو بدی کو فروغ دے"۔

"اِنسان بدی کو فروغ نہیں دیتا۔ یہ ابلیس کا کام ہے"۔

مستغیث کا عزم راسخ تھا۔

"کیا عدالت یہ گوارا کرے گی کہ وہ ایک زنا کار کو

سزا نہ دے۔

"اِس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ عدالت کے سامنے پیش ہی نہیں۔"

"عدالت سراسر بدی کی حمایت کر رہی ہے"۔ مستغیث نے جل کر کہا۔

"تم عدالت کی ہتک کر رہے ہو۔ تمہیں سزا ملنی چاہیئے۔" قاضی کڑک کر بولا۔

مستغیث کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"مَیں عدالت سے معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن ......"

وہ یکایک ٹھہر گیا۔ ایک آخری حربہ اُس کے ذہن میں آیا۔

"مجھے ..... مجھے عدالت سے اِنصاف کی پُوری پُوری اُمید ہے۔" اُس نے سب کی نظر بچا کر قاضی کو ایک پانچ روپے کا نوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

"رشوت ......" قاضی نے زیرِ لب کہا اور اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔

اپنا حربہ کارگر ہوتا دیکھ کر مستغیث کا حوصلہ بڑھ گیا۔

"عدالت ضرور نیکی کی حمایت کرے گی۔"

رشوت خوری قاضی کی فطرت میں اِس طرح داخل

ہو چکی تھی کہ وہ بالکل خود فراموش ہو گیا ۔

" پانچ روپے ..... پانچ روپے " قاضی نے پھر خواہشِ زر سے نڈھال ہو کر زیرِ لب کہا ۔

" آسمانی عدالت کسی طرح بھی بدی کو فروغ نہیں دے گی " مستغیث نے اور زیادہ جوش سے کہا ۔

" ہاں ہاں ! عدالت ضرور نیکی کی حمایت کرے گی " قاضی نے بے تاب ہو کر کہا ۔ " گو کاغذی کارروائی سے استغاثہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا ۔ لیکن آسمانی عدالت اپنے خاص اختیارات استعمال کرے گی ۔ ملزم کو دوزخ میں جھونک دو ۔

خواب گاہ سے دیوتائے انصاف کے خراٹوں کی آواز برابر آ رہی تھی ۔

ہندوستان زِندہ باد

اس افسانے کے افراد، نام اور
مقامات سب فرضی ہیں ؞

ہندوستان زندہ باد

روزنامہ ہندو۔ لاہور

شریمتی شبراتن دیوی کی شدّھی!

لاہور۔ یکم اپریل۔ کل آریہ سماج مندر میں شریمتی شبراتن دیوی کو شدھ کیا گیا۔ شریمتی جی ایک اعلیٰ مسلمان خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ آپ رُوپ وتی ہونے کے علاوہ تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ اُردو کا قاعِدہ آپ کو فرفرَ یاد ہے۔ لیکن چونکہ اب وہ ہندُو دھرم کی آغوش میں آ گئی ہیں۔ اِس لئے اُردو سے بیزار ہو کر ہندی پڑھنا چاہتی ہیں۔

ہندو نوجوانوں کے سچّے دھرم سیوک ہونے کا اِس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تقریباً بیس پریمیوں نے اپنے آپ کو انہیں ہندی پڑھانے کے لئے پیش کیا۔

بوڑھے ہندُو بھی نوجوانوں سے کسی طرح پیچھے نہیں

رہے۔ چنانچہ پُرانے دھرم سیوک اَور لیڈر ڈھلا رام نے بھی درخواست کی کہ انہیں شریمتی جی کے شُبھ چرنوں میں بَیٹھ کر کبھی کبھی شاستروں کے اُچارن کا موقع دیا جائے۔ پنڈت جی اِس وقت ستّر برس کے ہیں۔ لیکن شریمتی جی کے درشن کرکے اُن پر نئے سرے سے جوانی آگئی ہے÷

شدھی کی رسُومات کے بعد شریمتی جی کا وواہ شریمان لالہ پیڑا رام جی سے کر دیا گیا۔ شریمان جی ایک اُونچے ہندُو خاندان سے ہیں۔ آپ کے سرگباشی پتا شریمان لالہ برفی رام جی، چوہاری دروازے کے اندر حلوائی کی دکان کرتے تھے۔ خالص گھی کے استعمال کی وجہ سے آپ کی دکان کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ چنانچہ اکثر رُوس اَور جرمنی تک سے اُن کے پاس پکوڑوں کے آرڈر آتے تھے÷

شریمان جی خُود لالہ ودھاوا مل کے ہاں رسوئیا ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہَے کہ وہ سَو طرح کی آلُو کی بھاجیاں تیّار کر سکتے ہیں۔ وِدّیا میں بھی وہ کِسی سے پیچھے نہیں۔ چُنانچہ ہندی کے علاوہ اُردو میں بھی دستخط کرنا جانتے ہیں÷

شریمتی جی چونکہ سینما کا بڑا شوق رکھتی ہیں اَور ایکٹرسوں کے نام انہیں بے حد پسند ہیں۔ اِس لیئے

اُن کا ہندو نام دیویکا رانی تجویز ہوا ہے ؞

ہمارے نمائندے نے جب انٹرویو کے دوران میں اُن سے دریافت کیا کہ اُنھوں نے ہندو دھرم کیوں دھارن کیا ہے تو اُنھوں نے مسکرا کر اپنے پتی دیو کی طرف دیکھا اور کہا کہ ہندو دھرم میں ہی اُن کی آتما کو شانتی حاصل ہو سکتی ہے ؞ (ا - ف)

روزنامہ "مسلم" لاہور

ایک شریف مُسلم خاتون کا اغوا

ہندوؤں کی چیرہ دستی

لاہور - یکم اپریل - ابھی ابھی مقامی مجلس اسلامیہ کے دفتر سے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع ملی ہے کہ کچھ شرارت پسند ہندوؤں نے لاہور کے ایک معزز مسلم خاندان کی ایک بیوہ لڑکی کو زبردستی اغوا کر لیا ہے - مغویہ شبراتن بی بی، مرزا جانی نانبائی کی اکلوتی بیٹی ہے - اس کا مرحوم شوہر مرزا مشیران بیگ رئیس لاہور کا کو؛ ن تھا - شبراتن بی بی اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنے باپ کے ہاں رہتی تھی - مولوی دُمدار شاہ صاحب امام مسجد کا بیان ہے کہ مغویہ نہایت معصوم اور باحیا لڑکی ہے - باقاعدہ پانچ وقت نماز پڑھتی اور رمضان کے روزے رکھتی

تھی۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سائل اُس کے
در سے نامُراد نہ لوٹا۔ سادات کی تو بے انتہا معتقد تھی
اور اکثر تنہا اُن کے حجرے میں بچے کو دم کرانے آ
جایا کرتی تھی*

ہندوؤں کی اسلام دُشمنی تو سب کو معلوم ہے۔
لیکن یہ کِسی کو اُمّید نہ تھی کہ انہیں مسلم بہو بیٹیوں پر
ہاتھ اٹھانے کی بھی جُرأت ہو سکتی ہے۔ غیور مسلمان
اپنی عورتوں کی بے حُرمتی کِسی طرح گوارا نہیں کر
سکتے۔ اگر حکومت کو امنِ عامہ کی استواری منظور ہے تو
اُسے چاہیئے کہ وہ شبراتن بی بی کو واپس دلا کر، جن
شریر ہندوؤں کا اِس اغوا میں ہاتھ ہے۔ اُنہیں
قرار واقعی سزا دے* (ا۔ف)

سٹاپ پریس

لنگڑے نائی نے اطلاع دی ہے کہ شبراتن بی بی
ابھی تک اِسلام پر قائم ہے اور ہندو اُس پر ناجائز
دباؤ ڈال رہے ہیں۔ چُنانچہ اِس خبر سے برادرانِ اسلام
بُری طرح مشتعل نظر آتے ہیں۔ آج شام کو جوتی دروازہ
کے باہر مولوی ڈُمدار شاہ کی زیرِ صدارت ایک جلسہ بھی
منعقد ہوگا۔ جس میں ہندوؤں کے اِس ذلیل رویہ کی

ندمّت کی جائے گی ٭

سی - آئی - ڈی کی رپورٹ

حسب الحکم جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس کل شام کو ساڑھے آٹھ بجے جوتی دروازے کے باہر پہنچا۔ جلسہ گاہ میں کوئی پچاس آدمی موجود تھے۔ سوائے مرزا مشیران بیگ کے معزّزین شہر میں سے کوئی شریکِ جلسہ نہ تھا۔ معلوم ہوُا ہے کہ مرزا صاحِب مجلسِ اسلامیہ کی طرف سے اسمبلی کے آئندہ انتخاب میں اُمیدوار ہیں، اور یہاں صرف عوام کی خوُشنودی حاصل کرنے کی غرض سے آئے ہیں ٭

مرزا صاحب کی پانچویں بیوی خوُد ایک ہندوُ بیرسٹر کی لڑکی ہے۔ جسے مرزا صاحب کے صاحبزادے نے دو سال پیشتر اغوا کیا تھا ٭

اِن کے علاوہ سب جلسہ شہر کے غنڈوں۔ مجلس اسلامیہ کے اہلکاروں اور پریس کے نمائندوں پر مشتمل تھا ٭

مولوی دُمدار شاہ صدر جلسہ تھے۔ اُن کے متعلق پولیس میں کوئی رپورٹ موجُود نہیں۔ لیکن پرائیویٹ طور پر معلوم ہوُا ہے کہ آپ شبراتن پر بہت گرم تھے ٭

جلسہ علاّمہ اقبال کی اِس غزل سے شروع ہوُا ؎

نہ آتے ہمیں اِس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

اِس کے بعد مولانا حماقت اور شیدی سستی دروازے والے نے تقریریں کیں۔ یہ تقریریں گو طبقۂ جہلاء کو مشتعل کرنے کے لئے کافی تھیں۔ لیکن قانونی نقطۂ نظر سے کوئی بات قابلِ گرفت نظر نہیں آئی۔ مولانا حماقت نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ اس اغوا میں بڑے بڑے ہندوؤں کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے کل ہی ایک ہندو وزیر کو سیٹھ ودھاوا مل کے ہاں مردُودِ ازلی پیڑا رام کے ہاتھ کے بنے ہوئے گول گپّے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

مولانا ایک پیشہ ور لیڈر ہیں۔ اور چونکہ قوم کے چندے پر ہی اُن کی خُوش حالی کا دار و مدار ہے، اس لئے ہر نئی تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حال ہی میں اُنہوں نے شمیشم طوائف سے شادی کی ہے۔

شیدی سستی دروازے والے کا نام دفعہ دس کی فہرست میں موجُود ہے۔

تقریروں کے بعد اسسٹنٹ سیکرٹری مجلسِ اسلامیہ نے قرار داد پیش کی کہ حکومت سے اِس معاملے میں تحقیقات کی پُر زور درخواست کی جائے اور چندہ جمع کرکے مرزا جانی کی طرف سے پیڑا رام اور اُس کے

ساتھیوں پر مقدمہ دائر کیا جائے ÷

آخر میں مرزا مشیران بیگ نے مولانا حماقت کو ایک سَو روپیہ کا چیک دیا اُور کہا اُنہیں برادران اسلام سے پُوری پُوری امید ہَے کہ اسمبلی کے اِنتخاب کے موقع پر وہ اِس چیک کو نہیں بھُولیں گے ÷

دستخط صُوبے خاں انسپکٹر سی آئی ڈی

لاچور۔ ۲ر اپریل

لاچور میں ہندُو مسلم فساد کی آگ بھڑک اُٹھی

ہندُو کا کیا بنے گا؟

لاچور۔ ۲ر اپریل۔ کل شام جوتی دروازے کے باہر شریمتی شبراتن دیوی کے سلسلے میں کوئی شرارت کرنے کی غرض سے کچھ شُہدے مسلمان جمع ہوئے۔ اُنہوں نے ہندو جاتی کو نیچا دکھانے کے لئے طرح طرح کے پروگرام بنائے اُور شریمتی جی کو زبردستی اُٹھا لے جانے کے مشورے کئے۔ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہَے کہ جلسہ سے واپسی پر مجمع جب سائلی دروازہ کے اندر پہنچا تو اُس نے ہندوؤں کی دکانیں لوٹنی شروع کر دیں اُور کئی مقامات پر آگ لگا دی ÷

حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک حکومت خاموش

بیٹھی ہے کیا یہ صاف طور پر مسلم نوازی نہیں۔ ہندو لیڈروں کو چاہئے کہ وُہ ایسی حکومت سے جس کی باگ ڈور ایک مسلمان وزیرِ اعظم کے ہاتھ میں ہے، اِنصاف کا خیال چھوڑ دیں اَور خُود اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیں ٭

بحضور فیض گنجور جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر لاہور

جناب عالی!

مَیں پردھان آریہ سماج حسب ذیل عرض پرداز ہوں۔ کچھ دن ہوئے آریہ سماج مندر میں ایک مسلمان دیوی کو شدھ کیا گیا تھا۔ یہ دیوی خُود اپنی مرضی سے ہندو ہوئی ہے لیکن کچھ شرارت پسند مسلمانوں نے غلط بیانیوں سے کام لے کر عوام کو مشتعل کر دیا ہے۔ چنانچہ کل رات مسلمانوں کے ایک مجمع نے سائلی دروازے کے اندر کئی ہندوؤں کی دکانوں کو لُوٹ لیا اَور انہیں آگ لگا دی ٭

اِس وقت ہماری جان و مال سخت خطرے میں ہے۔ شہر بھر میں ہندُو دکانیں بند ہیں۔ مہاجن کار و بار چھوڑ کر گھر میں چارپائیوں کے نیچے پناہ گزیں ہیں اَور ہر ہندو کو دن میں کئی بار دھوتی بدلنے کی ضرورت پڑ رہی ہے ٭

ہماری دست بستہ التماس ہے کہ آپ جلد از جلد ہماری عزت و آبرُو کے تحفّظ کا انتظام کرکے حُسن تدبیر کا ثبوت دیں ٭

دستخط پردھان آریہ سماج۔ ۲ راپریل

درخواست تھانہ متعلقہ کو رپورٹ کے لئے بھیجی جائے ؛

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

۲راپریل

تفتیش کی گئی - رپورٹ بالکل غلط ہے - کل رات ایک افیونی بیڑی پیتے پیتے سو گیا تھا - جس سے اُس کے بستر کو آگ لگ گئی - میرے خیال میں اِس رپورٹ کی بنا اِسی واقعہ پر ہے ؛

دستخط سب اِنسپکٹر پولیس سائلی دروازہ

۳راپریل

درخواست داخل دفتر کی جائے ؛

دستخط صاحِب ڈپٹی کمشنر بہادر

۲راپریل

روزنامہ "مسلم" لاچور

برادرانِ اِسلام کا عظیم الشّان اجتماع

غیرتِ ملّی کے پُر جوش مظاہرے

لاچور - ۲راپریل - کل شام کو جوتی دروازے کے باہر برادرانِ اسلام کا ایک عظیم الشّان اجتماع ہوا - تقریباً دو لاکھ مُسلمانوں نے شبراتن بی بی کے اغواء پر صدائے احتجاج بلند کی ؛

ہمارے نامہ نگار کا بیان ہے کہ غیرتِ ملّی کا اِس قدر پُر جوش مظاہرہ آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ دُور تک سر ہی سر نظر آتے تھے۔ جلسہ میں مختلف قرار دادیں پاس کی گئیں اور کئی ہزار روپیہ چندہ جمع ہوُا ٭

فخرِ قوم مرزا مشیران بیگ بھی علاوہ دیگر رہنمایانِ مِلّت کے شریکِ جلسہ تھے۔ انہوں نے شبراتن بی بی ریلیف فنڈ میں ایک ہزار روپیہ اپنی جیبِ خاص سے عطا فرمایا ٭

مرزا صاحب مجلسِ اسلامیہ کی طرف سے اسمبلی کے آئندہ انتخابات میں امیدوار ہیں ٭

بحضور فیض گنجور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

جناب عالی!

مَیں صدر مجلسِ اسلامیہ حسب ذیل عرض پرداز ہوں۔ ایک ہندو مسمّی پیڑا رام ولد برفی رام نے ایک معزّز مسلمان خاندان کی لڑکی مسماۃ شبراتن بی بی بنت جانی مرزا نانبائی کو اغوا کرکے حبسِ بے جا میں رکھّا ہوُا ہے۔ میری استدعا ہے کہ اِس معصوم لڑکی کو جلد از جلد مُوذی ہندُوؤں کے پنجے سے نجات دِلائی جائے۔ اور ان لوگوں کو جو اِس جُرم میں شریک ہیں۔ قرار واقعی سزا دی جائے۔ صحیح تحقیقات پر حکومت کو معلوم ہو

جائے گا کہ اِس معاملے میں بڑے بڑے موٹی توند والے ہندوؤں کا ہاتھ ہے ؎

اِس وقت مَیں نے بڑی مشکل سے مسلمانوں کو کسی غیر قانونی کارروائی سے روکا ہُوا ہے - اگر جلد ہی کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا تو معاملہ نازک ہو جائے گا اور اُس کی تمام تر ذمّہ داری آپ پر عائد ہو گی ؎

دستخط صدر مجلس اسلامیہ

۲ر اپریل

درخواست تھانہ متعلّقہ کو رپورٹ کے لئے بھیجی جائے ؎

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

۲ر اپریل

موقع پر جا کر تفتیش کی گئی - افرادِ متعلّقہ کے بیانات حسب ذیل ہیں :-

بیان مسماۃ کریمن زوجہ جانی نانبائی :-

"شبراتن میری لڑکی ہے - اِس کا خاوند جاموں کوچوان مر چکا ہے - خاوند کی زندگی میں بھی وہ میرے ہی پاس رہتی تھی - کیونکہ جاموں اِسے پسند نہیں تھا - شادی کے دُوسرے دن ہی اِس نے کہہ دیا تھا کہ مَیں کالے سانڈ پر تھوکتی بھی نہیں ؎

"کچھ دن ہوئے مَیں اور شبراتن بازار سے واپس آ رہے تھے - راستے میں پیڑا رام شراب پیئے ہوئے بیٹھا

تھا۔ اُس نے چھوٹتے ہی شبراتن سے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ مَیں نے کہا۔ تیری ماں بہن نہیں ہے جو دُوسروں کی چھوکریوں سے مذاق کرتا ہے"۔

اُس نے کہا۔" ماں بہن تو ہے۔ اب معشوق چاہیئے"۔

مَیں نے کہا۔" ٹھہر مَیں جانی کو جا کر بتاتی ہوں۔ اُس نے تیری ...... کو نہ ...... تو"۔

اُس نے کہا۔" تو کہاں کی بڑی بنی پھرتی ہے۔ میرا تو تیری لڑکی سے دو سال کا یارانہ ہے"۔

مَیں نے شبراتن سے کہا۔" حرامزادی! تجھے کوئی اَور نہیں ملتا تھا، جو ہندُو سے یارانہ جا گانٹھا۔ اِس کمبخت پر بھی عشق کا جن سوار تھا۔ اپنے باپ پر بھی چوٹ کرنے سے نہ چُوکی۔ کہا۔ پیڑا رام میں نقص ہی کیا ہے؟ ابّا سے تو زیادہ صاف رہتا ہے۔ ابّا تو سال سال بھر نہاتا ہی نہیں۔ مَیں نے کہا جانی کو آنے دے، تمہاری ہڈّی پسلی ایک کرا دُوں گی۔ اسی شام شبراتن غائب ہوگئی۔ جانی رات کو دکان سے لوٹا تو مَیں نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔ دُوسری رات مولوی دُمدار شاہ کچھ اَور آدمی لے کر ہمارے ہاں آیا۔ اُس نے بتایا کہ شبراتن ہندُو ہو کر پیڑا رام کے گھر پڑ گئی ہے ...... اَور کہا کہ پیڑا رام پر مقدمہ کرنا چاہیئے۔ جانی نے کہا کہ اُس کے پاس اتنا روپیہ ہی کہاں ہے؟ جو مقدمہ کرے اَور پھر اِس مقدمہ سے سوائے

جگ ہنسائی کے کوئی فائدہ بھی تو نہیں۔ لیکن مولوی دُمدار شاہ نے سمجھا بجھا کر کچھ کاغذوں پر اُس سے دستخط کرا لئے"۔
نشان انگوٹھا مسمّاۃ کریمن زوجہ جانی نانبائی

۳راپریل

بیان مسمّیٰ پیڑا رام ولد برفی رام:۔
"مَیں نے شبراتن کو اغواء نہیں کیا۔ اُس نے اپنی مرضی سے میرے ساتھ شادی کی ہے"۔
دستخط پیڑا رام ولد برفی رام

۳راپریل

بیان مسمّاۃ شبراتن بنت جانی:۔
"مجھے پیڑا رام نے ہرگز اغواء نہیں کیا۔ مَیں اپنی مرضی سے اُس کے ہاں آئی ہوں۔ کیونکہ میری عمر اٹھارہ برس سے زیادہ ہے۔ اس لئے میرے ماں باپ میرے کسی معاملے میں دخل نہیں دے سکتے"۔
نشان انگوٹھا شبراتن بنت جانی

۳راپریل

شہر میں فرقہ وارانہ فضا واقعی خراب ہو رہی ہے۔ شرارت پسند لوگ خواہ مخواہ عوام کو مشتعل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں آنکھیں سُرخ کئے ہاتھوں میں اسنجنوں کے ڈھیلے پکڑے شہر کا گشت لگا رہی ہیں۔ اِدھر بنیے لوگ بھی دھوتیوں میں قلم تراش باندھے پھرتے

ہیں اور لالٹینیں، ترکاری چھیلنے والی چھریوں کو تیز کرنے میں مصروف ہیں ؂

دستخط سب انسپکٹر، پولیس جوتی دروازہ

۳ر اپریل

شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی جائے ؂

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

۳ر اپریل

روز نامہ "ہندو" لاہور

شریمان لالہ پیڑا رام جی پر مقدّمہ

لاہور۔ ۳۔ اپریل۔ جانی نانبائی نے شریمان لالہ پیڑا رام جی پر شریمتی شبراتن دیوی کے اغواء کا مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ کل سٹی میجسٹریٹ کی عدالت میں اِس مقدّمہ کی پیشی ہوگی۔ معلوم ہؤا ہے کہ اس مقدّمہ میں بڑے بڑے سرکردہ مسلمانوں نے امداد کا وعدہ کیا ہے ؂

ہندو جاتی کو شکایت ہے کہ یہ مقدّمہ ایک مسلمان مجسٹریٹ کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ حکومت کو چاہیئے تھا کہ کسی انگریز مجسٹریٹ کو خاص طور پر اس کے لئے مقرّر کرتی ؂

ہم سیٹھ ودھاوا مل جی کے بڑے شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے پانچ سَو روپیہ اِس مقدّمہ کی پیروی کے لئے دان کیا۔

آپ شری مینی جی کے اوصاف سے بے انتہا متاثر ہوئے ہیں اور اکثر تنہائی میں اُن سے گیان دھیان کی باتیں کرتے رہتے ہیں"

روز نامہ "مُسلم" لاہور

مردُودِ ازلی پیڑا رام پر مُقدّمہ

لاہور ۔ ۳ ۔ اپریل مرزا جانی صاحب نانبائی نے مردُودِ ازلی پیڑا رام پر مقدمہ دائر کر دیا ہے کہ اُس نے اُن کی لڑکی شبراتن بی بی کو اغواء کرکے حبسِ بے جا میں رکھا ہوا ہے ۔ مقدمہ کل سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہو گا ۔ معلوم ہوا ہے کہ سٹی مجسٹریٹ کا ہندُو اہلکار در پردہ ملزم کی امداد کر رہا ہے ۔ ہماری ڈپٹی کمشنر بہادر سے درخواست ہے کہ وہ اس شخص کو موقوف کرکے کسی مسلمان کو اس کی جگہ دیں"

روز نامہ "ہندو" لاہور

لاہور میں فرقہ وار فساد ہو گیا
غریب ہندوؤں کا قتلِ عام
۲۳ ہندو اور ۳ مسلمان ہلاک

لاہور ۔ ۵ ، اپریل ۔ کل سٹی میجسٹریٹ کی عدالت میں فاتحِ اسلام شریمان لالہ پیڑا رام کے خلاف دائر شدہ مقدمہ کی پیشی

ہوئی اور شریمتی شبراتن دیوی کے اِس بیان پر کہ وہ بالغہ ہیں اور اپنی مرضی سے شریمان جی کے پاس رہتی ہیں شریمان جی کو بری کر دیا۔ لاچور کے سب سرکردہ ہندو احاطۂ عدالت میں موجود تھے۔ انہوں نے شریمان جی کو پھولوں کے ہار پہنائے اور اشیرباد دی۔ عدالت سے واپسی پر جب وہ جوتی دروازے کے قریب سے گزر رہے تھے، مُسلمانوں کے ایک ہجوم نے اُن پر حملہ کر دیا۔ شریمان لالہ پیڑا رام جی۔ پنڈت ڈھلا رام جی اور سیٹھ ددھاداس کو شدید ضربات پہنچیں ۔ اور انہیں ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ اِس کے بعد ہجُوم نے سائی دروازے کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر ہندوؤں کی دکانوں کو لوٹنا اور جلانا شروع کیا۔ اس وقت تک ۲۳ ہندو اور ۳ مسلمان ہلاک ہوئے ہیں۔ حکومت نے مارشل لا کا اعلان کر دیا ہے اور شہر میں ہر طرف گورا فوج گشت کر رہی ہے ٭

روز نامہ "مسلم" لاچور

لاچور کے بازاروں میں قیامتِ صغریٰ

فرقہ وارانہ فساد کی تباہی!

۲۳ مسلمان اور ۳ ہندو ہلاک

لاچور۔ ۵۔ اپریل۔ کل سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں مرزا

جانی نانبائی کے دائر کردہ مقدمہ کی پیشی کے دوران میں ہندوؤں نے شبراتن بی بی سے جبری بیان دلوا دیا کہ وہ اپنی مرضی سے پیڑا رام کے ہاں آئی ہے اور اس طرح ملزم کو بری کرا دیا۔ اِس کامیابی سے شرارت پسند ہندوؤں کا حوصلہ اور بڑھ گیا اور اُنہوں نے عدالت سے واپسی پر طرح طرح کے دل آزار نعرے لگائے۔ جن پر مسلمانوں کا ایک مجمع مشتعل ہو گیا اور رفتہ رفتہ شہر بھر میں دنگا شروع ہو گیا۔ اس وقت تک ۳۲ مسلمان اور ۳ ہندوؤں کے ہلاک ہونے کی خبر موصول ہوئی ہے۔ شہر میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا ہے گورا فوج اور ایڈیشنل پولیس ہر محلہ میں موجود ہے۔ فخرِ قوم مرزا مشیران بیگ ہندو رہنماؤں سے مل کر صلح کی کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے جلد ہی فضا سکون پذیر ہو جائیگی۔

سرکاری اعلان

کل کے فرقہ وارانہ فساد میں ایک شخص ہلاک اور تین شدید طور پر زخمی ہوئے۔ زخمی سرکاری شفا خانے میں زیرِ علاج ہیں۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ انہیں دو ایک دن تک ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ شہر میں اب ہر طرح سے امن و امان ہے۔ اگر کوئی خلافِ توقع واقعہ پیش نہ آگیا تو کل مارشل لا منسوخ کر دیا جائے گا۔

دستخط ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن۔ ۵ اپریل

دو ماہ بعد

بحضور فیض گنجور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

جناب عالی!

مَیں مسمّاۃ شبراتن عرف دیویکا رانی حسب ذیل عرض پرداز ہوں - مَیں ایک معزز مسلمان خاندان کی لڑکی ہوں - مدت سے میرے دل میں خدمتِ وطن کی آرزو ہے - چنانچہ کوئی دو ماہ ہوئے، مَیں نے مسلمانوں کی وطن دُشمنی سے برگشتہ خاطر ہو کر ایک ہندُو مسمّی پیڑا رام سے شادی کر لی - پیڑا رام کے ساتھ رہ کر مجھے معلوم ہُوا کہ ہندو بھی وطن پرستی سے زیادہ سرمایہ پرستی کی طرف مائل ہیں - اِس راز کو پا کر مَیں نے پیڑا رام کو چھوڑ دیا *

اب بڑی سوچ بچار کے بعد مَیں اِس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اِس خطۂ زمین میں جہاں برادرانِ وطن ناداری کی وجہ سے اکثر شادی کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے - میرے جیسی محبِّ وطن لڑکی کے لئے سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ وہ بازارِ حُسن میں بیٹھ کر اُن کے روندے ہوئے جذبات کی تسکین کا باعث ہو *

اِس لئے میری التماس ہے کہ مجھے اِس پیشے کی اجازت دی جائے - گو مَیں امُورِ خانہ داری سے ناآشنا ہوں اور میری کوئی تعلیم بھی نہیں - لیکن ایک طوائف کے سب اوصاف کی حامل ہوں - کولے مٹکانا جانتی ہوں، آنکھ میچ کر اشارہ کرنے

بیں طاق ہوں اَور بے باکی شاید وِرثے بیں ملی ہے۔ شکل و صورت بیں بھی ہیں کسی حسین عورت سے پیچھے نہیں ہُوں۔ میرا رنگ چنبیلی کے پھول سا ہَے۔ آنکھیں ہرن کی سی ہیں۔ اَور ہونٹ سُرخ بانات کی طرح ہَیں۔ سچ تو یہ ہَے کہ شاید مجھے دیکھ کر آپ کے دہن مبارک سے بھی رال ٹپک پڑے۔ اگر ارشاد ہو تو کسی شام کو انٹر ویو کے لئے آؤں ؛

نشان انگوٹھا شبراتن ۵ جون

درخواست تھانہ متعلّقہ کو رپورٹ کے لئے بھیجی جائے ؛
دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

۵ جون

شبراتن جانی نانبائی کی لڑکی ہَے۔ اسی کے ہندُو ہو جانے پر شہر میں فرقہ دارانہ فساد ہُوا تھا ؛
دستخط انسپکٹر پولیس سائلی دروازہ

۶ جون

افرادِ متعلّقہ سے دریافت کیا جائے کہ کوئی عذر دار تو نہیں ؛ دستخط صاحِب ڈپٹی کمشنر بہادر

۶ جون

افراد متعلّقہ کے بیانات حسب ذیل ہَیں :۔
بیان پیڑا رام ولد برفی رام :۔
میں کوئی عذر داری کرنا نہیں چاہتا۔ شبراتن کا سیٹھ ودھاوا مل سے یارانہ ہے۔ مَیں اِس حرامزادی کے ہاتھوں

ملازمت سے برطرف ہو کر مفلسی کی زندگی بسر کر رہا ہوں +

دستخط پیڑا رام ۷ جون

بیان کریمن زوجہ جانی نانبائی :-

شبراتن کو ہرگز اجازت نہ دی جائے - ہماری ناک کٹ جائے گی + نشان انگوٹھا کریمن زوجہ جانی

۷ جون

بیان صدر مجلسِ اسلامیہ :-

مجلسِ اسلامیہ کوئی عذر داری نہیں کرنا چاہتی +

دستخط صدر مجلسِ اسلامیہ

۷ جون

بیان پردھان آریہ سماج :-

آریہ سماج کوئی عذر نہیں کرنا چاہتی +

دستخط پردھان آریہ سماج

۷ جون

سائلہ کی درخواست منظور کی جاتی ہے +

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

۸ جون

اپنا اپنا ظرف
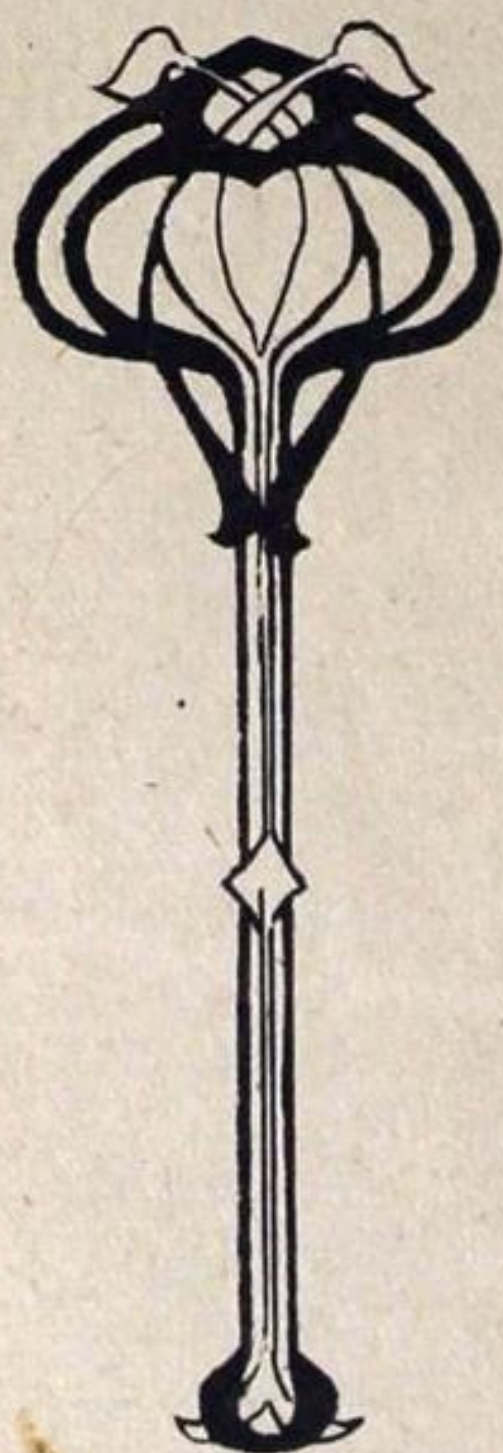
اپنا اپنا ظرف

"کسی ہوش رُبا دوشیزہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر تمہارے دل کی کیا کیفیت ہوگی؟" اس نے کہا۔

"میرے دل کی ...... ہی ہی ہی ہی۔" میرے مُنہ میں اس طرح پانی بھر آیا کہ مَیں سوائے ایک بے معنی ہنسی کے کوئی جواب نہ دے سکا۔

"ہاں ہاں! تمہارے دل کی۔" اُس نے کہا۔ "تم جوان ہو، وجیہہ ہو، حُسن پرست ہو۔ کیا تمہارے دل پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوگا؟"

"ہوگا اُور ہوُا ہے۔" مَیں نے اپنے شوق کو دبا کر جواب دیا۔

"کیا؟"

"میری رگوں میں خون دوڑنے لگے گا۔" میں نے اسی قسم کے ایک واقعہ کو یاد کر کے کہا۔ جب ایک لڑکی نے جو اپنے دریچے میں بیٹھی میری ہی ایک تصنیف کا مطالعہ کر رہی تھی۔ میری طرف دزدیدہ نظر سے

دیکھا تھا ۔ "میں بن پیئے شرابی سا ہو جاؤں گا اور میرا دل .... میرا دل بس دل کی تو بات ہی رہنے دو"۔

"خیر اس طرح کا احساس تو شاید ہر انسان کو ہوگا۔ لیکن اِس کے بعد تم کیا کرو گے ؟"

" اس کے بعد ... اس کے بعد ... رات دن اُس کی صُورت آنکھوں کے سامنے پھرتی رہے گی ۔ اُس کی تعریف میں غزلیں کہوں گا ۔ مضامین میں کسی پیرائے سے اپنے شوق کا تذکرہ کروں گا اور ... اور اس طرح شاید اس کی طرف سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو جائے .... ورنہ ... ورنہ ... بس اور کیا ؟"

بس بس اس نے ہنس کر کہا ۔ اپنی تعلیم اور ماحول کے پیش نظر تمہارے لئے اتنا بھی غنیمت ہے ۔ اِس مقام پر ہر ایک شخص کا ردِّ عمل مختلف اور اُس کی ذہنیت اور ماحول کے مطابق ہوگا ۔ کوئی دو برس کا ذکر ہے ۔ میں ایک برانچ لائن پر تھرڈ کلاس میں سفر کر رہا تھا ۔ ڈبّہ تقریباً خالی تھا ۔ صرف دو شخص میرے ہمسفر تھے ۔ جو ایک دُوسرے سے ذرا فاصلے پر الگ الگ سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے ۔

ان میں ایک سردار صاحب جو وضع قطع میں بالکل گنوار کا لٹھ تھے ۔ گورمکھی کے ایک دو پیسے والے قصّے کے مطالعہ میں محو تھے اور دُوسرے حضرت جو کسی گاؤں کی

مسجد کے امام معلوم ہوتے تھے، تسبیح ہاتھ میں پکڑے مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بُڑبُڑانے کا شغل فرما رہے تھے۔ میں ان دونوں سے الگ ایک کونے میں بیٹھا انگریزی کا ایک ناول پڑھ رہا تھا +

یکایک گاڑی ایک اسٹیشن پر ٹھہری اور ایک عورت مع بے شمار چھوٹی چھوٹی گٹھڑیوں کے جو میلے کچیلے کپڑوں سے بندھی ہوئی تھیں، ڈبے میں آ سوار ہوئی۔ عورت کی عمر چالیس سے اُوپر اور پچاس سے کم ہوگی اُس کی گود میں کوئی ایک سال کا بچّہ اور ساتھ ایک میری عمر کا نوجوان تھا۔ اس عورت اور نوجوان کی شکل میں کافی مشابہت تھی۔ جس سے یہ اندازہ لگانا دُشوار نہ تھا کہ دونوں میں بھائی بہن کا رشتہ ہے +

اِن کے سوار ہوتے ہی گاڑی چل پڑی۔ مَیں نے ایک سرسری نظر نَو واردوں پر ڈالی اور پھر ناول کے مطالعہ میں محو ہوگیا۔ لیکن جلد ہی مجھے یہ اِحساس ہوُا کہ ڈبے میں وہ پہلا سا سکون نہیں ہَے +

مَیں نے کتاب سے نظر اُٹھا کر دیکھا تو سردار صاحب قِصّہ آنکھوں سے لگائے بڑی اُونچی آواز میں غزل خوانی فرما رہے تھے اور مولوی صاحِب ایک بڑبڑاہٹ کے ساتھ تسبیح کے چار چار دانوں کو ذبح کر رہے تھے +

یہ تھا ڈبے میں عورت کی موجودگی کا اثر۔ عورت جس کی تخلیق کے بعد جنّت سے بھی سکون مفقود ہو گیا تھا۔

وہ میری طرف مُنہ کئے سامنے کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ نوجوان اس کے ساتھ بیٹھا دُوسری طرف مُنہ کئے کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ مَیں نے بالکل خالی الذّہن ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ اچانک ہماری آنکھیں چار ہوئیں اَور یکایک عورت نے اپنی بائیں آنکھ سے بالکل فاحشہ عورتوں کی طرح اِشارہ کیا۔ مَیں نے بوکھلا کر گردن جُھکا لی اَور اپنا چہرہ ناول سے چُھپا لیا۔ باوا آدم کا کمزور پہلُو اُس کے ہر خلف الرّشید میں موجُود ہے۔ لیکن کہاں مَیں اَور کہاں ایک چالیس سالہ خالہ جان۔ مَیں نے اس کی طرف دوبارہ دیکھنا اپنے مذاقِ سلیم کی توہین سمجھی اَور مطالعہ میں محو ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میری نظر پھر نادانستہ طور پر اُوپر اُٹھی۔ اب ایک اَور ہی منظر نظر آیا۔ عورت مولوی صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں کتاب کی آڑ سے دونوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگا۔ مولوی صاحب اس کا جواب بُوالہوسی سے دے رہے تھے۔ اُن کی تسبیح چلتے چلتے رُک گئی۔ مگر بُڑبڑاہٹ حسبِ عادت جاری تھی۔ یکایک ایک فصیح اِشارے میں عورت نے پھر اپنی

بائیں آنکھ کو جنبش دی۔ مولوی صاحب کے بدنما ہونٹوں پر ایک مکروہ تبسّم کھیلنے لگا اور اُن کے ڈراؤنے چہرے سے اُن کا تاریک ضمیر نمایاں طور پر جھلک اُٹھا۔

عورت نے اپنی نگاہیں جھُکا لیں۔ لیکن مولوی صاحب کے جذبات قابُو سے باہر ہو چکے تھے تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ پہلے تو اُنہوں نے بیٹھے بیٹھے بے تابی سے پہلُو بدلے۔ آخر جب نہ رہا گیا تو بیت الخلا کو جانے کے بہانے اُٹھے۔ عورت وہاں سے قریب ہی بیٹھی تھی۔ آپ دروازے پر آ کر رُک گئے اور عورت کی گودی کے بچے کی طرف دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہوئے مُسکرا مُسکرا کر دیکھنے لگے۔

تالیوں کی آواز سے بچّہ اُن کی طرف متوجّہ ہو گیا۔ اور آپ نے اسے اپنی گودی میں اُٹھا لیا۔

"بڑا نیک بچّہ ہے۔ بڑا نیک بچّہ ہے۔" آپ نے بچّے کو ایک دو بار اُچھال کر کہا۔

"کہاں جانا ہے آپ نے؟"

عورت نے کچھ جواب دیا، جو میرے کانوں تک پہنچنے سے پہلے گاڑی کی گڑگڑاہٹ کی نذر ہو گیا۔

"کون سے محلّے میں؟"

عورت نے پھر کچھ جواب دیا۔

"کس کے گھر؟"

عورت نے پھر کچھ جواب دیا ؛

مولوی صاحب سوالات میں محو تھے ۔ بچّے نے موقع غنیمت جان کر اپنے دونوں ہاتھ اُن کی ڈاڑھی میں پیوست کر دِئے اُور زور زور سے رونے لگا ۔ بڑی مشکل سے مولوی صاحب نے اپنی ڈاڑھی کو خطرے سے باہر کیا اُور بچّے کو اُس کی ماں کی گود میں دے کر "بہت نیک بچہ ہے ۔ بہت نیک بچّہ ہے" کہتے کہتے بیت الخلا میں جاکر پناہ گزین ہوئے ؛

عورت پھر میری طرف دیکھنے لگی ۔ مَیں نے گھبرا کر ناول کو چہرے کے آگے کر لیا ؛

کوئی پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ سردار صاحب جو زور شور سے غزل خوانی فرما رہے تھے ، یکایک خاموش ہو گئے ۔ مَیں نے کِتاب سے نظر اٹھا کر دیکھا تو پہلے سے بھی زیادہ دلچسپ حالات سے دو چار ہوُا ۔ اس دفعہ عورت سردار صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی اور سردار صاحب بھی جو عمر میں اُس کے بیٹے معلوم ہوتے تھے ۔ بھُوکے گیدڑ کی طرح آنکھیں پھاڑے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ دفعتہً پھر عورت کی بائیں آنکھ اشارے میں جُھکی ۔ سردار صاحب نے برجستہ جواب دیا ۔ اُور عورت نے نظر نیچی کر لی ؛

سردار صاحب نے دوبارہ اُس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہایت عُریاں پنجابی شعر اپنی موٹی اور بھدّی آواز میں الاپنے شروع کر دئے اور تال دینے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ سیٹ پر پٹکنے لگے +

میں دل ہی دل میں ان دونوں کی حرکات پر حیران ہو رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے اس عورت پر تھی، جو گھر سے شاید لوگوں کا سکونِ قلب تباہ کرنے کے لئے ہی نکلی تھی +

گاڑی پھر ایک اسٹیشن پر رُکی۔ یہاں ایک دُوسری گاڑی سے اُس کا کراس تھا۔ عورت کا بھائی پلیٹ فارم سے دُوسری طرف اُتر کر آنے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ مولوی صاحب وظیفہ کرتے کرتے اُونگھ گئے اور میں نے کتاب اِس طرح چہرے کے آگے رکھ لی۔ گویا مطالعے میں مصروف ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں +

سردار صاحب موقع پا کر اُٹھے اور پلیٹ فارم پر عورت کی کھڑکی کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ معاملہ پیچیدہ ہو رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور مَیں بھی سردار صاحب کی نظر بچا کر دروازے میں آ کھڑا ہُوا۔ یہاں سے قریب وہ میری طرف پیٹھ کئے کھڑے تھے اور مَیں اُن کی باتیں بآسانی سُن سکتا تھا +

"اجی سلام ہے جی"! سردار صاحب نے عورت سے

ٹھیٹھ پنجابی میں کہا۔ عورت نے ایک نظر اُن کی طرف دیکھا اور منہ دوسری طرف کر لیا ✦

"اوہو! اب نظر بھی نہیں ملتی۔ حُسن پر اِتنا غرور اچھّا نہیں"۔ سردار صاحب نے پھر کہا ✦

عورت نے کوئی جواب نہ دیا ✦

"پیاری بول تو سہی۔ کیا یونہی ترسائے گی؟"

عورت نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اب اس کی حرکات سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ تنگ آ کر سردار صاحب نے ایک وزنی گالی اُسے دی اور اُس کا آنچل کھینچ کر نہایت ناشائستہ الفاظ میں کچھ کہا ✦

عورت گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھ بیٹھی اور چیخ چیخ کر اپنے بھائی کو آوازیں دینے لگی۔ بھائی دَوڑا دَوڑا اندر آیا اور سردار صاحب کے ہاتھ میں اپنی بہن کا آنچل دیکھ کر دست و گریبان ہو گیا ✦

عورت کی مکّاری کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ مولوی صاحب بھی اس چیخ پکار سے جاگ اُٹھے اور مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ اُنھوں نے بڑی دُشواری سے اِن دونوں کو الگ کیا اور نوجوان کو ایک طرف لے جا کر رازدارانہ طریق سے کچھ کہا ✦

مَیں ان کی گفتگو تو نہ سُن سکا۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے، انھوں نے اُس سے اُس کی بہن کی

ہرجائی طبیعت کی شکایت کی اور خود اپنا تجربہ اُس کے ثبوت میں پیش کیا +

جب وہ بات ختم کر چکے تو نوجوان نے جس کا چہرہ شرم اور غصّے سے سُرخ ہو رہا تھا، گرج کر کہا "مولوی صاحب! بہن کو تو اعصابی کمزوری کی وجہ سے ہر وقت بائیں آنکھ جھپکتے رہنے کی عادت ہے"+

یکایک میری نظر کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا مولوی صاحب ندامت سے بغلیں جھانکنے لگے اور سردار صاحب کا جھاڑی دار چہرہ پیلا پڑ گیا +

مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ عورت شرم و حیا سے عرق عرق نگاہیں نیچی کئے میرے سامنے بیٹھی تھی اور اس کی بائیں آنکھ کچھ وقفے کے بعد برابر اِشارے میں جُھک رہی تھی۔ گویا گودی کے بچّے کو دعوت نشاط دے رہی ہے ؛

راکھشش
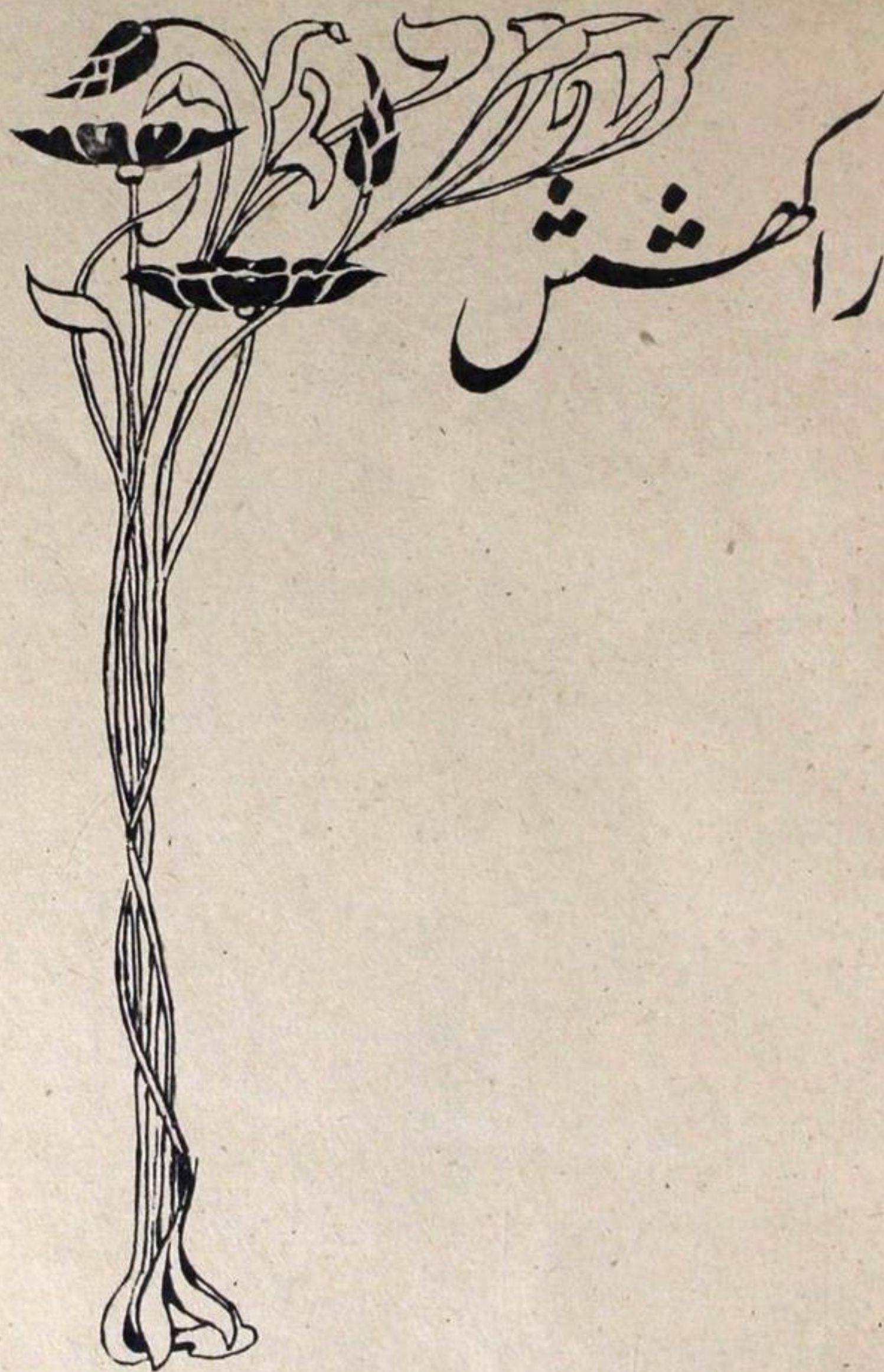
یہ کہانی قطعی فرضی اور ہارون رشید کے زمانے
سے متعلق ہے۔ کسی موجودہ فرد یا جماعت کی
طرف ہرگز اشارہ نہیں۔

راکھشش

(نئی الف لیلہ کا ایک ورق)

ایک ہزار راتوں کے بعد جب پھر رات آئی، تو شہر زاد نے کہا:۔

بادشاہ سلامت! اسمبلی کے اُمّید وار نے جولاہے کو بُلا کر ایک پیالی چائے اور نمکین بسکٹ سے اس کی تواضع کی۔ جب جولاہا فارغ ہُوا تو اسمبلی کے اُمّید وار نے کہا۔ "اے جولاہے! تو نے میرا نمک کھایا ہے۔ اب اگر تُو نے مجھے ووٹ نہ دیا۔ تو تُو نمک حرام کہلائے گا"۔

جولاہے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ میرے ساتھ وُہی سلوک نہ کیجئے، جو زمیندار نے پٹواری کے ساتھ کیا تھا"۔

بادشاہ سلامت مونگ پھلی کھاتے کھاتے رُک گئے۔

"زمیندار نے پٹواری کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟" اُنھوں نے بڑے شوق سے دریافت کیا۔

جو درزی نے بنئے کی بیوی کے ساتھ کیا تھا"۔

شہر زاد نے جواب دیا۔
"اچھی شہر زاد! آ تجھے مونگ پھلی دُوں۔" بادشاہ سلامت نے دو دانے اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"اور اگر تُو مجھے بتا دے کہ درزی نے بنیئے کی بیوی کے ساتھ کیا کیا تھا تو کل مَیں قرض اُٹھا کر بھی تجھے سٹینڈرڈ کلاتھ کا کُرتہ پاجامہ سِلوا دُوں گا۔"
"درزی نے بنیے کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو راکھشش نے پری کے ساتھ کیا تھا۔" شہر زاد نے مُسکرا کر کہا۔
"شہر زاد! خُدا کے لئے بتا۔ راکھشش نے پری کے ساتھ کیا کیا تھا۔" بادشاہ سلامت نے بے تابانہ التجا کی۔ "مَیں تجھے کُرتے پاجامے کے علاوہ وہ سوا روپے والا سلیپر بھی لا دُوں گا، جو تُو نے اُس روز شیخ کی دُکان پر پسند کیا تھا۔"
"کیا یہ سچّا وعدہ ہَے؟" شہر زاد نے پُوچھا۔
"ہاں ہاں! بالکل سچّا۔" بادشاہ سلامت نے جواب دیا۔

شہر زاد نے کہانی اِس طرح شروع کی:-
"بادشاہ سلامت کسی شہر میں ایک بے روزگار نوجوان رہتا تھا۔ وہ بے چارا دن بھر ملازمت کی تلاش

میں آوارہ پھرتا اور شام کو ناکام لوٹ آتا۔ ایک شام
جب وُہ دن بھر کی سرگردانی کے بعد دل شکستہ گھر
کو جا رہا تھا۔ اُسے بازار میں ایک پری نظر آئی، جو
سفید براق لباس زیبِ تن کیئے سر پر سفید تاج
رکھے ایک دُکان پر بیٹھی تھی +

گو چچا سعدی کی رائے میں بھوک دُشمنِ عشق ہے۔
لیکن دنیا نے عشق کو اکثر خالی معدے پر ہی وار کرتے
دیکھا ہے۔ پری کو دیکھ کر نوجوان دیوانہ وار اُس کے
عشق میں مبتلا ہو گیا اور بے سوچے سمجھے اُس دُکان
میں جا داخل ہُوا +

پری اُسے دیکھ کر مُسکرائی بھی اور رو بھی دی +

"یہ تمہارا مُسکرا کر رو دینا کیا معنی ؟" نوجوان نے
دریافت کیا +

"مَیں مُسکرائی اِس لئے" پری نے کہا "کہ مجھے تمہاری
آنکھوں میں محبّت کی روشنی نظر آئی اور روئی اِس لئے
کہ یہاں ایک رکھشش رہتا ہے، جو ابھی آکر تمہاری
زندگی برباد کر دے گا" +

"لیکن یہ تو کسی ڈاکٹر کی ڈسپنسری معلوم ہوتی
ہے" نوجوان نے شیشیوں کی قطاروں کی طرف دیکھ کر
حیرت سے کہا +

"ہاں! یہ ڈاکٹر کی ڈسپنسری ہی تو ہے" +

"لیکن تم نے تو ابھی کہا تھا کہ یہاں ایک راکھشش رہتا ہے"

"تم بڑے سادہ لوح ہو" پری نے کہا۔ "پرانے زمانے میں جن کو راکھشش کہا جاتا تھا۔ اب انہیں کو ڈاکٹر کہا جاتا ہے"

"اوہو!... یہ بات ہے..... لیکن تم تو پری ہو نا؟"

"ہاں! کسی زمانے میں مجھے پری کہا جاتا تھا۔ لیکن اب نرس کے نام سے مشہور ہوں"

"لیکن میں یہ نہیں سمجھا کہ ڈاکٹر میری زندگی کیوں برباد کرے گا"

"آؤ دیکھو، اِن سب کی زندگی ڈاکٹر کے ہاتھوں ہی برباد ہوئی" نرس نے انسپکشن رُوم کا پردہ ہٹا کر کہا

نوجوان نے کمرے میں جھانک کر دیکھا

دروازے کے قریب ایک ساٹھ سالہ شخص جو وضع قطع سے رئیس معلوم ہوتا تھا۔ رونی صورت بنائے ایک آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اُس کی دونوں پنڈلیوں پر بیشمار پٹّیاں بندھی ہوئی تھیں

اُس سے دُور ہٹ کر ایک نوجوان حسینہ جس کا رنگ سرسوں کی طرح زرد تھا، ایک کرسی پر بیٹھی کراہ رہی تھی"

اُس کی دُوسری طرف ایک ادھیڑ عمر کا آدمی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ یہ آدمی گو بظاہر تندرست معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کچھ اِس طرح حُزن و ملال میں ڈوبا ہوُا تھا۔ جیسے موت کی سزا کا منتظر ہو +

اِن سب سے الگ ایک عورت جس کی صُورت سے مفلسی برس رہی تھی، فرش پر ایک ہڈیوں کے ڈھانچے کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ اُس کا بیمار بچّہ تھا +

"یہ کوَن ہیں؟" نوجوان نے پریشان ہو کر دریافت کیا +

"مریض" نرس نے اِس منظر پر پردہ گراتے ہوئے جواب دیا +

"لیکن . . لیکن یہ بے چارے تو امراض کے ہاتھوں برباد ہیں +"

"نہیں .... ان کی بربادی کا ذمّہ دار خُود ڈاکٹر ہے +"

"ڈاکٹر" نوجوان نے حیران ہو کر کہا +

"ہاں!" نرس نے کہا۔ "اسی لئے تو میں ڈرتی ہوں۔ کہ وہ کہیں تمہاری زندگی بھی برباد نہ کر دے +"

"لیکن مَیں مریض تو نہیں ہوں .... مَیں تو .... میں تو صرف تمہیں دیکھ کر چلا آیا +"

"تم مریض ہو یا نہیں۔ ڈاکٹر تمہیں ایک منٹ میں باور کرا دے گا کہ تم دو دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے یہاں سوال تو یہ ہے کہ تمہارے جیب میں زر ہے یا نہیں"۔

"میرے پاس تو کوڑی بھی نہیں۔ میں مدّت سے بے کار ہوں"۔

اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ علاج کے بغیر تمہاری زندگی ناممکن ہے تو تم شاید چوری کر کے بھی ڈاکٹر کی فیس ادا کرنے پر تیّار ہو جاؤ گے"۔

"ہاں! ..... میں ابھی مرنا نہیں چاہتا"۔

"تو بس پھر یہاں تمہاری خیر نہیں ..... اُف! ڈاکٹر کی کار کا ہارن سنائی دے رہا ہے۔ اب تم یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے"۔

"پھر کیا کیا جائے؟" نوجوان نے بوکھلا کر پوچھا۔

گھبراؤ نہیں، میں تمہیں مکھّی بنا کر دروازے کے ساتھ چپکائے دیتی ہوں"۔

"مکھّی بنا کر ..... مجھے مکھّی .....؟"

"ہاں!" نرس نے مسکرا کر کہا "لیکن تم پریشان کیوں ہوتے ہو"؟ اس زمانے میں مکھّی بنانا بھی صرف استعارے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ آؤ اس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔

نوجوان پردے کے پیچھے پہنچا ہی تھا کہ یکایک آیڈو فارم کی بُو آندھی کی طرح آئی۔ الماری میں دواؤں کی شیشیاں لرزنے لگیں اور ڈاکٹر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہؤا آ پہنچا۔

"کوئی مریض؟" اُس نے آتے ہی دریافت کیا۔

"چار" نرس نے کہا۔"سب انسپکشن رُوم میں بیٹھے ہیں۔"

ڈاکٹر انسپکشن روم میں چلا گیا۔

"دیکھا راکھشش کس طرح آدم بُو..... آدم بُو کرتے ہوئے آیا ہے" نرس نے سرگوشی میں کہا۔

"اُس نے تو صرف مریضوں کے متعلق بات کی ہے۔"

"نہیں کہاں تک سمجھاؤں کہ اس زمانے میں الفاظ بدل گئے ہیں۔ لیکن مطلب وہی ہے۔"

"کہئے میر صاحب! طبیعت کیسی ہے؟" ڈاکٹر نے انسپکشن رُوم میں جا کر دریافت کیا۔

"ڈاکٹر صاحب! مَیں ہزاروں روپے آپ کی نذر کر چکا ہوں، لیکن ذرا بھی افاقہ نہیں ہؤا۔"

"میر صاحب! مَیں ڈاکٹر ہوں، جادُوگر نہیں ہُوں۔ جو دم بھر میں آپ کو تندرُست کر دُوں۔ جوڑوں کا درد جاتے ہی جاتے جاتا ہے... اور آپ کا یہ ارشاد

بھی غلط ہے کہ میں آپ سے ہزاروں روپے وصول کر چکا ہوں۔ آپ ایک ماہ سے میرے زیرِ علاج ہیں اور اِس وقت تک آپ سے صرف نو سَو چالیس روپے دو آنے نو پائی وصول ہوئے ہیں۔ آٹھ سَو ستّر روپے آٹھ آنے تین پائی کی رقم ابھی آپ کی طرف واجب الادا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مطمئن رہیئے۔ آپ کا بل کل ہی ادا کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ اِس قدر روپیہ خرچ کر کے بھی مجھے کیا فائدہ پہنچا ہے؟ اوّل اوّل آپ کی دوائی سے کچھ افاقہ ہونے لگا تھا۔ لیکن آپ نے فوراً دوائی ہی بدل دی۔ پہلی دوائی سے میں شاید اب تک اچھا بھی ہو گیا ہوتا۔"

"اگر مَیں اپنی دوائی تبدیل نہ کر دیتا تو وُہ آپ کے جسم سے زہریلا مادہ خارج کیئے بغیر آپ کا جوڑوں کا درد دُور کر دیتی اور نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ ایک ماہ کے اندر اندر فالج کا شکار ہو جاتے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے اب آپ کی دوا پر اعتقاد نہیں رہا۔ مولوی ..... صاحب ڈاکٹر قضا سے جوڑوں کے درد کا علاج کرا رہے ہیں اور انہیں بڑا افاقہ ہے۔ مَیں بھی اب اُنہیں سے مشورہ چاہتا ہوں۔"

"خیر تو میرا وقت ضائع نہ کیجئے اور ڈاکٹر قضا کے پاس ہی تشریف لے جایئے۔" ڈاکٹر نے مُنہ پھیر کر بددماغی

سے کہا۔

"یہ بوڑھے لوگ بھی بڑی ہوتے ہیں" میر صاحب کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے مصنوعی تبسّم ہونٹوں پر لاتے ہوئے نوجوان حسینہ کی طرف متوجّہ ہو کر کہا۔ "کہیئے آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ناتوانی بدستور ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے سر کو چکّر آتے ہیں اور آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔"

"آپ کی بیماری ذرا پیچیدہ سی ہے اور آپ کو ایک طویل مدّت تک طبّی امداد کی ضرورت ہے.... کیا کہا تھا آپ نے آپ کی جائداد پچاس ہزار کی مالیت کی ہے نا؟

"جی ہاں!"

"تو پھر آپ کل شام کو میرے گھر پر تشریف لائیں آپ کے مرض پر یہاں پُوری طرح غور نہیں ہو سکتا۔ فی الحال ایک پیٹنٹ دوائی لکھ دیتا ہوں، بازار سے خرید لیجیے۔"

حسینہ کے جانے کے بعد اُس ادھیڑ عمر کے آدمی کی طرف توجّہ کی۔

"کہیئے آپ نے اپنا پیشاب ٹیسٹ کرایا؟"

"جی ہاں!" اُس نے ایک پرچہ ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔" انہوں نے شوگر کی موجودگی کہیں نہیں

بتائی۔ البومن کے متعلق کچھ لکھا ہے۔"

"ٹیسٹ میں کوئی غلطی ہو گئی ہو گی۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں پورے سوا سال سے پریکٹس کر رہا ہوں۔ شہر کا نیا قبرستان میرا ہی بسایا ہوا ہے۔ اتنے تجربے کے بعد میری تشخیص غلط نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنا پیشاب کل دوبارہ ٹیسٹ کرائیں۔"

"کیوں ری تو کیا چاہتی ہے؟" اس مریض کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر نے ترش رُو ہو کر مفلس عورت سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر صاحب! میرا بچہ۔"

"تمہیں کل جو بتایا تھا کہ تمہارے بچے کے دماغ میں رسولی ہے۔ اپریشن کرانا چاہتی ہے؟"

"ڈاکٹر صاحب! لوگوں نے کہا ہے کہ دماغ کا اپریشن صرف سَو میں ایک دو بار کامیاب ہوتا ہے۔"

"تو پھر"؟

"دوا دارُو سے ہی اس کا علاج کیجئے۔"

"دوا دارُو کے لئے پیسے ہیں تمہارے پاس؟"

"نہیں۔"

"تو پھر میرا وقت ضائع نہ کرو۔ اپریشن کے لئے تو میں تیار تھا کہ کچھ تجربہ ہی حاصل ہو جاتا۔"

"ڈاکٹر صاحب! میرے والد آپ کے والد کے ساتھ

اکٹھے پکوڑے بیچا کرتے تھے۔ میں آپ کو اُن کی دوستی کا واسطہ دیتی ہوں۔"

"بس بس زیادہ بکواس نہ کرو۔ اگر دوا کے لئے پیسے نہیں ہیں تو تھوڑا سا زہر لے جاؤ.... ڈاکٹر امیر لوگوں کے لئے ہوتے ہیں، جُوتی چوروں کے لئے نہیں اور میں تو ڈاکٹر ہونے کے علاوہ خلیفہ کے لشکر میں کپتان بھی ہوں۔ یعنی ڈاکٹر کم اور حاکم زیادہ.... میرا تو تم جیسے لوگوں سے بات کرنا بھی بے عزّتی ہے۔"

مفلس عورت کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے ٹیلیفون اُٹھایا۔

"ڈاکٹر قضا.... میں ہوں ڈاکٹر اجل، آداب عرض! میر صاحب کے کیس کا شاید میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔ کل وہ آپ کے پاس مشورے کے لئے آئیں گے۔ ذرا خبردار رہیئے۔ شکار موٹا ہے۔ کہیں ہاتھ سے نہ جانا رہے.... بس.... ہاں انہیں آرام تو دو دن میں آ سکتا ہے۔ لیکن ہم لوگوں کو بھی تو اپنے بال بچّوں کی روزی کا خیال چاہیئے.... اور ہاں کیا آپ کو اُس لڑکی کا کیس یاد ہے، جس کا ناجائز حمل آپ نے گرایا تھا؟.... کیا واقعی اُس کی جائداد پچاس ہزار کی مالیّت کی ہے۔ .... وہ اب میرے پاس علاج کے لئے آئی ہے؟.... ہاں تو بڑے مزے کا ہے خی خی خی خی.... کل میری

کوٹھی پر آئے گی ... اچھا آداب عرض"۔

ڈاکٹر قضا سے سلسلہ منقطع کرکے اُس نے پھر ڈائل گھمایا۔

"چار سَو بیس کلینک لبارٹیر ..... مینجر صاحب .. مَیں ہوں ڈاکٹر اجل .... کل میں نے ایک کیس آپ کی طرف بھیجا تھا اَور ٹیلیفون پر ہدایت بھی کر دی تھی کہ اُس کے پیشاب میں شکر بتائی جائے۔ لیکن آپ نے بجائے شکر کے البومن بتا دی اور وہ بھی اِس قدر جیسے ہاتھی کا پیشاب ہو۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کے اِس رویّے سے میری تشخیص پر حرف آتا ہے اَور میری پریکٹس کو نقصان پہنچتا ہَے۔ پُرانے تعلّقات کی بِنا پر مَیں آپ کو ہر روز کوئی نہ کوئی کیس بھیج دیتا ہوں اَور اِس خدمت کی کمیشن بھی برائے نام ہوتی ہَے۔ لیکن پھر بھی آپ لا پرداہی سے کام کرتے ہَیں .. .. پچھلے دنوں بھی آپ سے اِسی قسم کی ایک غلطی سرزد ہوئی۔ آپ نے ایک شخص میں اِس قدر شکر بتا دی کہ گویا آدمی نہیں، شکر سازی کا کارخانہ ہَے۔ اس کنٹرول کے زمانے میں اگر حکومت کو پتہ چل جاتا تو مریض بے چارے کو بحقِ خلیفہ ضبط کر لیا جاتا ... کل والے کیس کو مَیں دوبارہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں پانچ فی صدی شکر بتا دیجئے ..... اچھا آداب عرض"۔

اس کے بعد ڈاکٹر نے اپنی دن بھر کی آمدنی کا حساب کیا اور نوٹوں سے جیب بھر کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"نرس! میں اب مریض دیکھنے جا رہا ہوں" اُس نے کہا۔ "تم دُکان بند کر کے جا سکتی ہو"۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد نوجوان پردے سے نکل آیا۔

"ڈاکٹر ہے نا رحم شن؟" نرس نے کہا۔

"واقعی..... واقعی" نوجوان نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تم بڑے نڈھال سے نظر آتے ہو" نرس نے پیار بھری نظر سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کہیں سچ مچ بیمار تو نہیں؟"

"نہیں" اُس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "ابھی تک تو بیمار نہیں ہوں۔ لیکن مفلسی اور ملازمت کی تلاش میں دن بھر کی سرگردانی شاید بہت جلد بیمار کر دے"۔

"مجھے بھی زندگی میں کئی مرتبہ اِن حالات سے دو چار ہونا پڑا ہے" نرس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جانتی ہوں یہ لمحات کس قدر حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ لیکن تمہیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔ خدا سب کا رازق ہے۔

کوئی نہ کوئی کام دلا ہی دے گا .... میرے خیال میں
اب تمہیں جا کر آرام کرنا چاہیئے - ورنہ بیمار ہو جاؤ گے"
"کیا یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی ؟"
"نہیں .... کیوں ؟"
"کچھ نہیں یونہی پوچھا تھا .... تمہیں معلوم ہے -
آج مَیں دیوانہ وار تمہارے پاس کیوں چلا آیا ؟"
" نہیں" نرس نے نگاہیں نیچی کر کے کہا - اُس کے
رُخساروں پر سُرخی سی دوڑ رہی تھی ؛
" نرس ! کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت بھی ہوئی
ہے ؟"
"میری طبیعت بھی آج کچھ اچھی نہیں ہے -"
نرس نے دھڑکتے ہوئے دل سے بات ٹال کر کہا "کل
اِسی وقت یہاں آ جانا - پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے"

اُس رات نوجوان کی آنکھوں کے سامنے نرس کی
موہنی صوُرت پھرتی رہی اور اس کی نیند حرام ہو گئی -
دُوسرا دن بھی اُس نے بڑی مصیبت سے کاٹا - آخر
جب خدا خدا کر کے شام ہوئی تو اُس کی جان میں جان
آئی اور وہ ٹھیک وقت مقرّرہ پر ڈاکٹر کی دکان پر
جا پہنچا ؛
اُس کو دیکھ کر نرس کی خوبصُورت نیلی نیلی آنکھوں

میں ایک لازوال چمک سی پیدا ہو گئی اور اُس کے ریشمیں رُخساروں پر حیا نے گلاب کے پھول کھلا دیے۔
"تم آ گئے؟" اُس نے مُسکرا کر کہا۔
"ہاں ..... لیکن میرے آنے سے تمہیں پریشانی تو نہیں ہوئی؟" اُس نے اُس کے گرم و گداز ہاتھ کو پیار سے دباتے ہوئے کہا۔
"نہیں، پریشانی کیوں ہو؟"
"کچھ نہیں، مَیں نے یونہی پُوچھا تھا۔"
"مَیں آج بڑی اُداس تھی۔ تمہارے آنے سے یہ اُداسی کچھ کچھ دُور ہو گئی ہے۔"
"یہ اُداسی کیوں؟"
"معلوم نہیں۔"
"مَیں بھی آج تمام دن بڑا اُداس رہا۔"
"کیوں؟"
"بس یونہی۔"
"کیا کہیں ملازمت ملی؟"
"نہیں، آج مَیں کہیں گیا آیا ہی نہیں۔"
"کیوں؟"
"طبیعت اچھی نہ تھی۔"
"اوہو! تم کہیں سچ مچ بیمار تو نہیں ہو؟" نرس نے بے تابی سے پوچھا۔

"بیمار تو ہوں۔" نوجوان نے جرأت کر کے کہا۔"لیکن میرا علاج ڈاکٹر نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر کون کر سکتا ہے؟"

"تم" نوجوان کی زبان لڑکھڑائی۔ ہونٹ لرزے۔ مگر اُس نے کہ ہی دیا۔

"میں" نرس کی جھجک میں شوق کا جذبہ بھی شامل تھا۔

"ہاں تم ...." نوجوان ابھی عرضِ محبت کے لئے موزوں الفاظ ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ بازار سے موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔

"اُف" نرس نے کہا۔"یہ تو ڈاکٹر ہے۔ کم بخت نہ جانے آج اِس وقت کس طرح آ گیا۔"

"گھبرانے کی کیا بات ہے، مجھے مکھی بنا دو۔"

"ہاں ہاں .... تم پردے کے پیچھے ہو جاؤ۔"

نوجوان پردے کے پیچھے ہو گیا۔

یکایک آیڈو فارم کی بُو آندھی کی طرح آئی۔ الماری میں دواؤں کی شیشیاں لرزنے لگیں اور ڈاکٹر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہُوا آ پہنچا۔

"کوئی مریض؟"

"نہیں، اِس وقت مریض کہاں؟" نرس نے کہا۔"آپ آج اِس وقت کس طرح چلے آئے؟"

"میں انجیکشنوں کا سامان یہیں بھول گیا تھا"
ڈاکٹر نے میز سے مطلوبہ اشیاء اُٹھائیں اَور جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن یکایک نرس کی طرف دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔
"نرس!" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"فرمائیے" نرس خوف و ہراس کا مجسّمہ بنی ہوئی تھی۔
"آج تم بڑی خوبصورت نظر آ رہی ہو۔ تمہارے ہونٹ مرکری لوشن کی طرح سُرخ اَور تمہارا رنگ کیمفر کی طرح خوشبو دار اَور لطیف ہے اَور تمہاری نگاہیں رگ و پے میں الکوہل کے انجیکشن کر رہی ہیں۔"
نرس اپریشن رُوم کے مریض کی طرح سہمی کھڑی تھی اَور ڈاکٹر کے جذبات کا پارہ گرمیوں کی دُھوپ میں پڑے ہوئے تھرمامیٹر کی طرح تیزی سے چڑھ رہا تھا۔ اُدھر پردے کے پیچھے نوجوان کا بلڈ پریشر لحظہ بہ لحظہ ہائی ہو رہا تھا۔
"نرس!" ڈاکٹر نے پھر کہا "تمہاری بے نیازی کونین مکسچر سے زیادہ کڑوی ہے"
نرس اب بید کی طرح لرز رہی تھی۔ نوجوان کا

جی چاہتا تھا کہ باہر نکل کر ڈاکٹر کا خون پی لے۔ لیکن نرس کی عزت کا خیال اُسے بے بس کئے ہوئے تھا۔

نرس! اگر تم میرے ساتھ شادی نہ کرو گی تو میرے جسم میں وٹامن 'بی' کی کمی واقع ہو جائے گی اور میں کسی ٹی بی سینٹوریم میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گا"۔

ڈاکٹر نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اپنی طرف کھینچا۔

نرس ابھی تک بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی لیکن ڈاکٹر کی اِس دست درازی پر اس کی حالت غیر ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو کر ڈاکٹر کی گرفت سے زمین پر آ رہی۔

پردے کے پیچھے نوجوان کا بلڈ پریشر انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اگر اُس کا بس چلتا تو ڈاکٹر کو کچّا چبا جاتا۔ لیکن اُس کی حالت اُس شیر کی سی تھی جو آہنی پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

نرس کو بے ہوش دیکھ کر عشق پر پیشہ غالب آ گیا اور ڈاکٹر اُسے ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگا۔

نرس ہوش میں آئی تو ڈاکٹر نے اُسے ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟"
اچھی ہے"۔ نرس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔
"کیا ہو گیا تھا تمہیں؟"
"کچھ نہیں"۔
"اچھا میں اب جاتا ہوں۔ تم بھی دکان بند کر دو اور جا کر آرام کرو۔ تمہاری صحت اچھی نہیں ہے۔ .... اور .... اور آج کی گفتگو کے متعلق اب میں تحریراً ہی کچھ کہوں گا .... کل صبح کی ڈاک میں میرے خط کا انتظار کرنا۔"
ڈاکٹر کے جانے کے بعد نوجوان اوٹ سے نکلا اور نرس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
"میں اس رکھشش کو زندہ جلا دوں گا"۔
نرس نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنا سر اُس کے شانے پر رکھ دیا اور رونے لگی۔
"نرس! خدا کے لئے اس طرح رو کر میری رُوح کو اذیت نہ پہنچاؤ"۔ نوجوان نے بیقرار ہو کر کہا۔ "ورنہ میں ڈاکٹر کو صبح سے پیشتر قتل کر کے خُودکشی کر لونگا"۔
"نہیں نہیں"۔ نرس نے بدستور روتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو"۔
"میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ایک رکھشش میرے اور تمہارے درمیان

حائل ہونا چاہتا ہے "

"تم ..... تم نہیں سمجھ سکو گے" نرس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم میری محبّت کا جواب محبّت سے نہیں دے سکو گی؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں" نرس نے اپنی اشک آلودہ آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو پھر میرے ساتھ شادی کر لو" نوجوان نے اُسے کلیجے سے لگا کر کہا۔

"تمہارے ساتھ میری شادی نہیں ہو سکتی" نرس نے دوبارہ اُس کے شانے پر سر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"مَیں قطعی طور پر اِس رکھشش کے بس میں ہُوں" نرس نے اشکوں کی جھڑی باندھ کر کہا۔ "ڈاکٹر لوگوں کی جماعت بندی سے تم واقف نہیں ہو۔ اگر مَیں تمہارے ساتھ شادی کر لُوں تو نہ صرف اِس ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھوں گی، بلکہ شہر بھر میں کوئی ڈاکٹر میری صُورت دیکھنے کا بھی روا دار نہ ہوگا ...... تم خُود بے روزگار ہو۔ محبّت بھوک کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے گی۔"

"لیکن مجھے ملازمت مل جائے گی۔ تمہاری محبت نے میرے حوصلے بڑھا دئے ہیں"۔ نوجوان نے بے قرار ہوکر کہا۔" خدا کے لئے میری درخواست رد نہ کرو۔ .... کہدو.... کہدو کہ تم میرے ساتھ شادی کروگی"۔

"آہ ....." نرس نے جواب دیا۔" کل صبح کی ڈاک میں میری قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس سے پیشتر میں کوئی جواب نہیں دے سکتی"۔

"کیا میں کل صبح تمہیں مل سکتا ہوں"؟

"ہاں! میں گرین سٹریٹ بی بلاک میں رہتی ہوں"

اس رات نوجوان پھر ماہئی بے آب کی طرح بستر پر تڑپتا رہا۔ پچھلے پہر اُسے نیند کا ایک جھونکا سا آ گیا تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک راکھشش جس کی صورت ڈاکٹر سے ملتی جلتی تھی، ایک نہایت حسین پری کو اپنے خوفناک پنجوں میں دبوچے ہوئے ہے۔ اور پری عاجزی سے امداد کی درخواست کر رہی ہے۔ .... اس منظر کو دیکھ کر نوجوان چیخ مار کر اُٹھ بیٹھا۔ اور پھر صبح تک نہ سویا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب وہ نرس کے ہاں جا پہنچا۔

نرس کی سُرخ سُرخ آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ اُس نے رات رو رو کر کاٹی ہے۔ اُس کی پژ مُردہ صورت سے انتہائی بے کسی اور بے بسی ٹپک رہی تھی۔

... نوجوان اُس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"نرس!" اُس نے محبّت بھرے لہجے میں کہا۔ "اپنے آپ کو اِس طرح ہلکان نہ کرو ... تم میرے لئے ہو۔ خدا تمہیں مجھ سے جُدا نہ کرے گا"۔

"مجھے اپنا مستقبل اندھیری رات کی طرح ڈراؤنا نظر آتا ہے"۔ اُس نے آہِ سرد بھر کر کہا۔

"خدا کے لئے ایسا نہ کہو" نوجوان نے اپنی باہیں اُس کے گلے میں حمائل کر کے کہا۔ "محبّت تاریک رات کو بھی دن کی طرح اُجاگر کر سکتی ہے"۔

یکایک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اوہ ... ڈاک کا ہرکارہ"۔ نرس نے چیخ کر کہا۔

ایک نیلا لفافہ دہلیز پر پڑا تھا۔ نوجوان نے اُسے اُٹھا کر نرس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں دے دیا اور خود بے بس ہو کر کرسی پر گر پڑا۔

نرس کو ایسا معلوم ہوا، جیسے اُس نے لفافے کے بجائے کوئی دہکتا ہوا انگارہ اُٹھا رکھا ہے، جو نہ صرف اُس کے ہاتھ بلکہ اُس کی رُوح تک کو جُھلسے جا رہا ہے۔ اُس کا دل ڈوب رہا تھا اور چہرے پر موت کی سی

زردی اُمنڈ آئی تھی ٭

جی کڑا کرکے اُس نے لفافہ کھولا اور اپنی زندگی کا فیصلہ پڑھنے لگی۔ نوجوان ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح بُت بنا اُس کے سامنے بیٹھا تھا ٭

یکایک نرس نے خط اُٹھا کر اُس کی طرف پھینک دیا اور خود دیوانوں کی طرح زور زور سے قہقہے لگاتی ہوئی کُرسی سے گر پڑی ٭

نوجوان نے خط اُٹھا کر پڑھا ٭

یہ بجائے شادی کی درخواست کے ڈاکٹر کی اُس طبی امداد کا بل تھا، جو پچھلی رات اُس کے بے ہوش ہو جانے پر اُسے پہنچائی تھی ٭

"یہ تھا وہ سلوک جو راکھشش نے پری کے ساتھ کیا"۔ شہرزاد نے کہا ٭

لیکن بادشاہ سلامت کمبخت گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے ٭

فیروز پرنٹنگ ورکس ۳۶۵ سرکلر روڈ لاہور میں باہتمام
عبدالحمید خاں پرنٹر و پبلشر کے چھپ کر لاہور سے شائع
کیا